غلبۂ اسلام

ہمارا ملک پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا لیکن آج بھی یہاں اسلامی قانون نافذ نہیں ہے، البتہ نام کے ساتھ اسلامی لکھا جاتا ہے اور آئین کے اندر بھی درج ہے کہ قانون سازی قرآن وسنت کے دائرے میں ہوگی مگر یہ صرف لکھنے کی حد تک ہے، ورنہ جو کچھ یہاں ہورہا ہے وہ خلافِ شریعت ہے، حتیٰ کہ ہمارے عائلی قوانین بھی اسلامی نہیں ہیں۔ عدالتوں میں فیصلے شریعت کے مطابق نہیں بلکہ انگریزی قانون کے مطابق ہورہے ہیں۔ نہ ہمارا سیاسی نظام اسلامی ہے، نہ معاشی نظام اور نہ کوئی اور نظام۔ گویا ہم پاکستانی مسلمان غیر اسلامی ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔ ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم غلبۂ اسلام کے لیے مخلص ہوں اور اپنے ملک پاکستان میں نظامِ خلافت اسلامی کے لیے جدوجہد کریں۔ ہمارے ایمان کی سلامتی کے لیے یہ ناگزیر ہے۔

۸۔لعنت کرنا:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لا يكون اللعانون شفعاء ولا شهداء يوم القيامة .)) (أبوداود، رقم الحديث: ٤٩٠٧)

''لعنت کرنے والے قیامت کے دن سفارشی اور گواہ نہیں ہوں گے۔''

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لعن المؤمن كقتله .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٦٥٣)

''مومن کو لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

۹۔جمعۃ المبارک کی نماز کو چھوڑنا:

حضرت ابوجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع الله على قلبه .))

(أبوداود، رقم الحديث: ١٠٥٢)

''جو شخص (بغیر شرعی عذر کے) سستی کرتے ہوئے لگاتار تین جمعہ چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔''

۱۰۔مسلمان بھائی سے قطع کلامی کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يحل للمؤمن أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٥٦١)

''کسی مومن کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی رکھے۔''

۱۱۔غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يخلون أحدكم بامرأة فإن الشيطان ثالثهما .)) (مسند أحمد: ١/١٨)

''تم میں سے کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے (کیونکہ) ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

(عبدالرحیم بلتستانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

24 ربیع الاوّل 1433ھ جمعة المبارک 17 تا 23 فروری 2012ء

مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 07 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

میٹھا زہر

حافظ احمد شاکر

سرسیّد احمد خان نے غالباً نیک نیتی ہی سے علم برائے معاش کا بیج بویا ہوگا لیکن بعد میں معاشرے میں سامان آسائشِ و آرائش کی بہتات سے اس کی نمو کی جاتی رہی۔ تاہم اہل مدارس دینیہ نے قناعت اپنا کر، قوت لایموت میں رہتے ہوئے خونِ جگر سے علم دین کی شمع جلا کر صدائے لا الٰہ الا اللہ کی نغمہ سنجی میں عمریں بتا دیں اور علم دین کی شمع اب تک فروزاں رکھی ہوئی ہے۔ شکر اللہ سعیھم وجعل سعیھم مشکورا.

قرآنِ حکیم کی درج ذیل آیت ہمیں غور وفکر کی دعوت بھی دیتی ہے اور یہ راہنمائی بھی کرتی ہے کہ علماء دین کی اصل ذمہ داری مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرانا اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کرنا ہے۔

''مومنوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ سب کے سب ہی (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں، پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر فرقے میں سے کچھ لوگ دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے نکلتے تاکہ جب وہ...... جہاد سے ...... ان کی طرف واپس آتے تو اپنے لوگوں کو...... برے انجام سے ...... ڈراتے تاکہ وہ برے کاموں سے بچے رہتے۔'' (التوبہ:۱۲۲)

مذکورہ بالا ترجمہ سورہ توبہ کے آخر میں آنے والی آیات میں سے ایک آیت کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں میں کچھ لوگوں ...... یعنی فرقے ...... کو دین کی سمجھ حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور دین کی سمجھ سے مراد متفقہ طور پر علم دین کا باقاعدہ حصول ہے اور واضح رہے کہ وہ مشہور حدیث جو درسگاہوں یعنی اسکولوں وغیرہ کی پیشانی پر لکھی ہوتی ہے کہ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' تو اس سے مراد وہ علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے حقوق، بندوں کے حقوق، طہارت وناپاکی اور حلال وحرام کا علم ہوجائے۔

اسلام کی پہلی درسگاہ صفہ کے قیام سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جو افراد علم دین کے حصول کے لیے گھر کا آرام وسکون تج کر...... یعنی قربان کر کے ...... نکل کھڑے ہوں ان کی کفالت مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہوتی ہے بلکہ جس طرح علم دین کا حصول فرض کفایہ ہے اس طرح ان کی کفالت بھی فرض کفایہ ہے۔ اس کو واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ پہلے مرحلے میں کچھ لوگ علم دین کے لیے وقت نکالیں اور اصحاب استطاعت پیسہ خرچ کریں۔

دوسرے مرحلے میں جو طلباء وعلماء دینی مدارس سے علم حاصل کر کے نکلیں ان پر مسلمانوں بلکہ انسانوں تک علم دین پہنچانا فرض ہوجاتا ہے۔ وہ اگر استطاعت رکھ سکیں تو اپنا ذریعہ معاش اختیار کر کے دین کا کام کریں اگر ان کے حالات ایسے نہ ہوں، اور اکثر نہیں ہوتے، تو ان کے دین پہنچانے کے فرض کی طرح معاشرے پر ان کی صرف کفالت ہی نہیں، بافراغت کفالت بھی فرض ہوجاتی ہے۔ اگر دونوں طبقے اس کو ذمہ داری جان کر عمل پیرا ہوجائیں تو پھر بفضلہ تعالیٰ معاشرے میں خیر کی کثرت بھی ہوجاتی ہے اور معاشرتی ماحول بابرکت بھی ہوجاتا ہے۔

دینی مدارس کا عمومی تصور خالص دین یعنی کتاب وسنت اور ان کے معاون علوم حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اکثر متوسط درجہ کے مدارس جو نسبتاً چھوٹے شہروں، قصبوں یا دیہاتوں میں زیادہ ہوتے ہیں ان کے قیام کا بنیادی مقصد ہی خالص دین پڑھنا، اس پر عمل کرنا اور تبلیغ دین کے لیے افراد کار بھی تیار کرنا ہوتا ہے۔ اور بڑے شہروں میں قائم مدارس کا مقصد کم وبیش یہی ہوتا ہے جو مدارس دینی علوم کے ساتھ بلکہ دینی نصاب تعلیم میں عصری تعلیم کے نصاب کو بھی گھسیڑ دیتے ہیں ان میں علم برائے عمل کے جذبے کی بجائے علم برائے معاش دھیرے دھیرے غالب آنا شروع ہوجاتا ہے۔

متقدمین علماء میں سے بھی بعض علماء ذریعہ معاش کے لیے طب، خطاطی، جلد سازی یا بعض دستی ہنر سیکھ کر اور بعض کھیتی باڑی کر کے دین کی خدمت کرتے تھے لیکن معاش نہ ان کے مقصد پر غالب آتا تھا اور نہ فکر پر۔ بہ توفیقہ تعالیٰ یہ فرق اگر ملحوظ رکھا جاسکے تو پھر یہ طریق حیات محمود ہوجاتا ہے۔

علمائے دین کی اکثریت انگلش، ریاضی، سائنس ودیگر علوم دنیا حاصل کرنے کے نہ صرف مخالف نہ تھے بلکہ باصلاحیت افراد کو اس کی ترغیب بھی دیتے تھے کہ دین ہر طبقے میں پہنچانا اور ہر سطح تک پھیلانا علماء دین کا فریضہ ہے۔ خرابی تب پیدا ہوتی ہے جب صلاحیت جانچے بغیر ہی طالب علم کو اس میں دھکیل دینے کی کوشش کی جاتی ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جس طرح علوم آلیہ (یعنی منطق وفلسفہ وغیرہ) پڑھنے کی صلاحیت ہر طالب علم میں نہیں ہوتی اس طرح دیگر علوم دنیا بھی ہر طالب علم کے بس میں نہیں ہوتے۔

یہ بات نوک قلم پر اس لیے آ گئی کہ نامشرف دور حکومت نے آتے ہی علماء وطلباء دین کے استخفاف واستحقار کی مہم چلا کر جس طرح علماء دین کو مطعون کرنے اوران پر گرفت مضبوط کرنے اور منبر ومحراب سے گونجنے والے کلمۂ حق کو دبانے کی کوشش کی تھی وہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں اور اس میں حکومت کی ناکامی بھی ماضی قریب کا قصہ ہے جو کہ دین پسند بلکہ اکثر پاکستانیوں کو بھی یاد ہوگا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نامشرف حکومت کی یہ اپنی پالیسی نہیں تھی بلکہ سابق صدر مشرف کی یہ اس خود دسپردگی کے تلخ ثمرات تھے جو اس نے امریکہ کے ایک ہی ٹیلیفون پر اختیار کر لی تھی۔ امریکہ نے اپنی اس تربیتی (خوف غالب کرنے کی) پالیسی کے بعد مدارس کی طرف براہِ راست توجہ بایں انداز دینا شروع کی کہ اس نے میڈیا کے ذریعہ بڑی شدومد سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ آئی۔ ٹی ٹیکنالوجی (Information Technology) وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جو دینی مدارس کے طلباء کو سکھانا بہت ضروری ہے۔ پھر امریکی کارندوں نے دینی مدارس میں جا جا کر دینی مدارس کے منتظمین سے ''تعاون'' کرتے ہوئے ان کو کمپیوٹر وغیرہ دیے جو کہ بعض اہل مدارس نے قبول بھی کر لیے اور ہمارے علم کے مطابق بعض اہل مدارس نے ''وسعت ظرف'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم کا اہتمام بھی شروع کر دیا۔ اختلاف رائے کا حق دیتے ہوئے ہماری یہ رائے ہے کہ اس تعلیم پر ''إثمهما أكبر من نفعهما '' والا قرآنی اصول لاگو کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ کئی سال سے بعض مدارس نے عصری تعلیم ...... میٹرک سے بی۔ اے تک ...... کو پہلے ہی اپنے تعلیمی نصاب کا جز بنایا ہوا ہے جس سے فطری طور پر قیام مدارس کی مقصود بالذات یعنی دینی تعلیم متاثر ہوتی ہے۔ ہم آئی ٹی سمیت جدید علوم کے مخالف قطعاً نہیں۔ یہ گزارشات عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ طلباء جب درس نظامی کا نصاب مکمل کر لیں یا یوں کہہ لیں کہ دینی نصاب تعلیم کے دوران کسی دوسرے علم وہنر کو شامل کرنے سے گریز کیا جائے تاکہ مخیّر حضرات جس نیت اور خواہش کے ساتھ دینی مدارس سے تعاون کرتے ہیں ان کو بھی اجر وثواب مکمل پہنچے اور اہل مدارس جو دین کے نام پر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں ان کا دامن امانت بھی داغدار نہ ہو۔ درس نظامی یا دینی تعلیم کے دوران طلباء کی ...... لباس وظاہری ہیئت میں ...... تربیت کا خاص دھیان رکھا جائے اور ان میں دینی شعائر پر عمل کا جذبہ اور شعائر کے احترام کی طرف ان کو خصوصی طور پر متوجہ رکھا جائے۔

منتظمین کے خیال میں اگر درس نظامی کے تعلیم کے دوران وقت کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے تو وہ نصابِ تعلیم کا عرصہ ۸ سال کی بجائے ٦ سال کر دیں لیکن نصابی کتب یعنی علوم عالیہ ...... قرآن وحدیث ...... کے ساتھ ساتھ علوم آلیہ ...... صرف، نحو، فقہ واصول فقہ، معانی، علم کلام عربی زبان ...... کا نصاب مکمل ہو، منطق، فلسفہ جن طلباء میں صلاحیت ہو یا جو ان کا رجحان رکھتے ہوں ان کو ضرور پڑھانا چاہیے، اس طرح مختلف دنیوی علوم، انگلش، ریاضی، اور اب کمپیوٹر کی تعلیم میں بھی جو طلباء دلچسپی رکھیں ان کے لیے باقاعدہ اور مکمل انتظام ہونا چاہیے۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قرآن وحدیث اوران کے معاون علوم کی تعلیم مکمل ہونی چاہیے۔ دیگر عقلی علوم یا دنیاوی علوم کا طلباء کو حسب رغبت انتخاب کا موقعہ دینا چاہیے اور پھر ان کے لیے عصری تعلیم یا کسی ہنر سکھانے کی تعلیم کا انتظام مکمل ہونا چاہیے۔ تاکہ یہ نونہال میدان عمل میں جا کر حتی الامکان معاشرے پر بوجھ بننے سے بچنے کی کوشش بھی کریں اور کسی بھی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا بھی نہ ہوں۔

امریکی کارندوں نے بعض اہل مدارس کو درہم ودینار کی جھلک دکھا کر بڑی سست رفتاری سے مدارس دینیہ کے نصاب سے دینی علوم کو کم کرنا اور فکر وخیال میں معاش کو اجاگر کر کے ان کو اس دلدل میں دھنسانے کی میٹھے زہر کی طرح کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔ الحمدللہ دینی مدارس کے اکثر منتظمین ان فتنوں سے بچنے کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب عشر وزکوٰۃ اور اوقاف نے بعض دینی مدارس کو گرانٹ دینی شروع کی تھی تو اس آزمائش سے بھی اس وقت بعض مدارس کے منتظمین بے نیاز رہے اور بفضلہ تعالیٰ وہ مدارس اب تک شیریں ثمرات کے ساتھ مصروف کار ہیں۔

درس قرآن — قسط نمبر ۱۰

تفسیر سورۂ یٓس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾

[یٓس : ٦]

''تاکہ تُو اس قوم کو ڈرائے جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے، پس وہ بے خبر ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں ''قرآنِ حکیم'' کے نازل کرنے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے رسول بنائے جانے کی غایت بیان کی گئی ہے کہ آپ اس لیے رسول ہیں اور آپ پر قرآنِ حکیم اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا۔ ''ما'' کے بارے میں ایک رائے یہی ہے کہ یہ نافیہ ہے جیسا کہ ترجمے میں ہے اور یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ قرآنِ مجید ہی میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ [السجدة : ٣]

''تاکہ تُو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ راہ پائیں۔''

یہی بات سورۃ القصص (۴۶) میں بھی کہی گئی مگر اس کے آخر میں ہے ﴿لعلهم يتذكرون﴾ ''تاکہ وہ نصیحت حاصل کرتا ہے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ﴾ [سبا : ٤٤]

''حالانکہ ہم نے نہ انھیں کوئی کتابیں دیں جنھیں وہ پڑھتے ہوں اور نہ ان کی طرف تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا بھیجا۔''

اس آیت میں کتاب اور رسول دونوں کے آنے کی نفی ہے کہ نہ ہم نے انھیں کوئی کتاب دی اور نہ ان کے پاس کوئی رسول آیا جس نے انھیں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کی تعلیم دی ہو۔ اس کی کوئی سند ان کے پاس نہیں، یہ سراسر جہالت اور بے خبری میں دعوت توحید کا انکار کرتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ ''ما'' یہاں موصولہ ہے اور ''الذي'' کے معنی میں ہے، یوں آیت کے معنی ہوں گے:

''تم اس قوم کو اسی بات سے ڈراؤ جس سے ان کے باپ دادا ڈرائے گئے ہیں۔''

دراصل ان دونوں معانی میں کوئی تضاد نہیں۔ پہلا مفہوم لیا جائے تو باپ دادا سے زمانۂ قریب کے باپ دادا مراد ہوں گے کیونکہ سرزمین عرب میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت شعیب علیہم السلام نبی ہوئے ہیں۔ ایک زمانے بعد جب ان کی تعلیمات کے آثار مٹ گئے اور توحید کی بجائے شرک نے راہ پکڑی تو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس لیے ان آیات میں کتاب اور رسول کی نفی سے مراد ان کے قریبی زمانے میں نبی آنے کی نفی ہے۔ اور ''إنذار'' کی نفی براہِ راست بذریعہ نبی ڈرانے کی نفی ہے، یوں نہیں کہ انھیں کسی ڈرانے والے نے ڈرایا ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ ورقہ بن نوفل وغیرہ اہل مکہ کو ان کے شرک اور ان کی بدعملیوں سے خبردار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ [فاطر : ٢٤]

''اور نہیں ہے کوئی امت مگر اس میں ایک ڈرانے والا گزرا ہے۔''

خواہ یہ ڈرانے والا نبی ہو یا عام شخص۔
اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترت یعنی انقطاع نبوت کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ [المائدة: ۱۹]

''اے اہل کتاب! بے شک تمھارے پاس، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، ہمارا رسول آیا ہے جو تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے۔''

اس وقفے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے مابین کا زمانہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی فترت سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی نبی نہیں آیا، یہ مراد نہیں کہ اس زمانے میں عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا اہل کتاب میں کوئی عالم بھی نہیں تھا۔

(روح المعاني، البحر المحيط وغيرهما)

اور دوسرے مفہوم میں مراد یہ ہے کہ جو پیغام انبیاء کے ذریعے سے ان کے آباء واجداد کے پاس آیا تھا یہ لوگ اسے فراموش کر چکے ہیں، آپ ﷺ اس عہد کی یاد تازہ کریں اور وہی توحید کا پیغام انھیں پہنچا دیں۔ یہ مفہوم بھی دراصل اسی تناظر میں ہے کہ قوم عرب میں نبی تو ہوئے ہیں، اس لیے ان سے نبوت کی کلیۃً نفی تو نہیں ہوسکتی۔ یہ نفی ہے تو عہد قریب میں ان کے آباء واجداد میں کسی نبی کے آنے کی نفی ہے۔ یوں ان دونوں معنوں میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اہل عرب، اہل مکہ کے لیے تھی۔ یہود ونصاریٰ کی طرف تو بہت سے رسول آئے ہیں مگر آپ ﷺ ان کے لیے رسول نہیں تھے کیونکہ آیت میں ہے کہ آپ انھیں ڈرائیں جن کے پاس ڈرانے والا نہیں آیا بلکہ قرآنِ مجید میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ ''امییــــن'' کی طرف رسول ہیں۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ [الانعام: ۹۲]

''اور یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا، بڑی برکت والی ہے، اس کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے ہے اور تا کہ تُو بستیوں کے مرکز اور اس کے پڑوس کے لوگوں کو ڈرائے۔''

اس سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اہل مکہ اور اس کے آس پڑوس بسنے والوں کے لیے نبی ہیں۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ان بعض کی تخصیص سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں دوسروں کی نفی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعرآء: ۲۱۴]

''اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا۔''

یہ باعتبار اوّلین مخاطبین کے ہے، یوں نہیں کہ قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی کو نہ ڈراؤ۔ اہل مکہ اور مکہ کے مضافات میں بسنے والوں کے بارے میں ڈرانے کا حکم بھی اوّلین مخاطبین کے اعتبار سے ہے۔ قرآنِ مجید اور احادیث مبارکہ میں آپ ﷺ کی بعثت عمومی کے بے شمار دلائل ہیں جن کا یہ محل نہیں۔

امام رازی نے اس کے علاوہ یہ جواب بھی دیا ہے کہ جب ''مـا'' موصولہ مانا جائے تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں یہود ونصاریٰ کی گمراہی کے بعد قریبی دور میں کوئی نبی نہیں آیا تھا، اس لیے وہ بھی آپ ﷺ کے مخاطب ہیں بلکہ انھیں خبردار کیا گیا ہے:

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ [المائدة: ۱۹]

''تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا۔''

﴿وهم غافلون﴾ میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک یہ کہ رسول کی بعثت اس وقت ہوتی ہے جب قوم غفلت اور بے خبری میں مبتلا ہو، انھیں جھنجوڑنے اور زندگی کے انجام سے خبردار کرنے کے

لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھیجتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ بے خبروں کے لیے اس میں تنبیہ ہے کہ اگر سمجھانے اور ڈرانے کے باوجود تم نے آنکھیں نہ کھولیں تو اس کا نتیجہ شقاوت وبدبختی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ غفلت شعاروں پر عذاب کا کوڑا تبھی برستا ہے جب انھیں رسول کے ذریعے خبردار کردیا جاتا ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

[الإسراء: ١٥]

''ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ [الانعام: ١٣١]

''یہ اس لیے کہ بے شک تیرا ربّ کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

مگر جب نبی کے ذریعے خبردار کردیا جاتا ہے تو ان غفلت کے ماروں پر عذاب مسلط کردیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن جب انھی بد نصیبوں کو جہنم رسید کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ تو وہ کہیں گے:

﴿قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ [الملك: ٩]

''وہ کہیں گے: کیوں نہیں! یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔''

یہی بات سورۃ الزمر (آیت نمبر: ۷۱) میں بھی بیان ہوئی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کے بعد جو عذاب آتا ہے وہ استیصال اور اس قوم کی بربادی پر منتج ہوتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو ماننے کے باوجود نافرمانی کرتے ہیں یا انھیں احکام الٰہی کا علم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی مخالفت کرتے ہیں تو عذاب ان پر بھی آتا ہے مگر اس میں تمام کی بربادی نہیں ہوتی۔ بسا اوقات یہ مختلف آفات وبلیات کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور یہ عذاب تنبیہ اور خبردار کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے فرمایا:

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [السجدة: ٢١]

''اور یقیناً ہم انھیں کم درجے کے عذاب کا کچھ حصہ بڑے عذاب سے پہلے ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ آئیں۔''

''عذابِ ادنیٰ'' سے دنیا کا عذاب اور مختلف آفات مراد ہیں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ صراطِ مستقیم کی طرف پلٹ آئیں۔



ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: هل يقدّم الرجل رجله بين يدي جليسه؟

اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں پھیلانا

١١٨٠ . قال كثير بن مرة: دخلت المسجد يوم الجمعة فوجدت عوف بن مالك الأشعجي جالسا في حلقة، مدّ رجليه بين يديه، فلما رآني قبض رجليه، ثم قال لي: تدري لأي شيء مددت رجلي؟ ليجيء رجل صالح فيجلس.

''کثیر بن مرہ سے روایت ہے کہ میں جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے عوف بن مالک اشجعی کو حلقۂ مجلس میں بیٹھا ہوا پایا جو اپنی ٹانگوں کو آگے پھیلائے ہوئے تھے۔ انھوں نے جب مجھے دیکھا تو اپنے پاؤں کو سمیٹ لیا، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں نے اپنے پاؤں کو کس لیے پھیلایا ہوا تھا؟ اس لیے کہ اگر کوئی نیک آدمی آجائے تو اس جگہ پر بیٹھ جائے۔''

باب: الرجل يكون في القوم فيبزق

مجلس میں بیٹھا ہوا آدمی تھوک کہاں پھینکے؟

١١٨١ . أن الحارث بن عمرو السهمي قال: أتيت النبي ﷺ فهو بمنى - أو بعرفات - وقد أطاف به الناس ويجيء الأعراب، فإذا رأوا وجهه قالوا: هذا وجه مبارك، قلت: يا رسول الله ﷺ، استغفرلي، فقال: ((اللهم اغفرلنا)) فدرت، فقلت: استغفرلي، قال: ((اللهم اغفرلنا)) فدرت، فقلت: استغفرلي، فقال: ((اللهم اغفرلنا)) فذهب بيده بزاقه، ومسح به نعله كره أن يصيب أحدا من حوله.

''حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منیٰ یا عرفات میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھوم رہے تھے۔ دیہاتی لوگ آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھتے تو کہتے: یہ چہرہ کتنا مبارک ہے! میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہماری مغفرت فرما۔'' میں گھوم کر پھر آیا اور عرض کی: میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہماری مغفرت فرما۔'' اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تھوک کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی چپل سے پونچھ لیا اس ڈر سے کہیں ان کے گرد بیٹھے ہوئے کسی پر نہ پڑ جائے۔''

جشن عید میلاد ...... کتاب وسنت کی روشنی میں

مفتی عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ

محترم قارئین! آپ نے دیکھا کہ فاطمیوں کے بعد عید میلاد کو رائج کرنے والا ایک فریب خوردہ، فضول خرچ، ناچ گانے کا شوقین اور کھلنڈرا بادشاہ تھا جو اپنے وقت کے علماء کو بجائے سلف صالحین کے طریقے کے اپنے قیاسات اور مجتہدات سے اپنا الّو سیدھا کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا اور قوم کی سادگی اور مذہبی شوق سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس نے اپنی کرسی کو مضبوط بنا لیا اور اپنی عیاشی اور ہوس کوشی کا راستہ ہموار کرلیا تھا، مزید برآں میلاد النبی ﷺ کی بدعت کے جواز میں فتویٰ لکھنے کی سعی نا مشکور کرنے والا ایک بدعتی اور حریص شخص اس کو مل گیا جس کی گندی اور بے لگام زبان سے ہمارے قابل فخر سلف صالحین بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

لیجیے جناب یہ داستان دلخراش اس بدعت خانہ خراب کی جسے حکومت پاکستان اور عشق رسول کے بزعم خویش ٹھیکیدار ایک اسلامی تہوار اور ایک تیسری عید سمجھ کر ہر ۱۲؍ربیع الاوّل کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ مناتے ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارک ان چالاک حکمرانوں اور بدعت کیش مولویوں اور خشک دماغ صوفیوں کے بارے میں فرماتے ہیں ؂

وهل أفسد الدين إلا الملوك
وأحبار سوء ورهبانها

اس بدعت کی قلعی بفضلہٖ تعالیٰ وحسن توفیقہ ہم کھول چکے۔ اب آپ کی اپنی پسند ہے کہ آپ اتباعِ رسول ﷺ اور سلف صالحین کے طریقے کو اختیار کرتے ہیں یا نفس پرست بدعتی بادشاہ اور زر پرست بدعتی مولوی کی ٹیڑھی راہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

جواب سوال نمبر۶:

ہم پہلے سوال نمبر۲ اور سوال نمبر۳ کے جواب میں قدرے شرح وبسط کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ عید میلاد نہ صرف بدعت ہے بلکہ اسلام میں مزید اضافے کی شرمناک جسارت بھی ہے اور اس بدعت کا پورا پورا نوٹس لینا چونکہ وقت کا شدید تقاضا تھا، چنانچہ جونہی اس بدعت نے سر اٹھایا تو ہمارے ائمہ دین اور علماء حق فوراً اس کی تردید اور مذمت پر کمر بستہ ہوگئے اور اس کے کریہہ چہرے سے نقاب الٹ کر رکھ دیا اور اس کا مکمل تجزیہ فرمایا۔ اور کتاب وسنت کی نصوص مرفوعہ، براہین ساطعہ اور دلائل یقینیہ کے ساتھ اس کے سارے تار و پود بکھیر دیے۔ جزاهم الله عنا وعن كل من عمل بالكتاب والسنة جزيل الجزاء، آمين.

چنانچہ ساتویں صدی کے مجدد کامل، شیخ الاسلام اور صاحب سیف وقلم حضرت امام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ اپنی کتاب اقتضاء صراط مستقیم (ص:۲۹۴) اور اپنے فتاویٰ (۳۱۲/۱) میں اور امام شرف الدین حنبلی، امام احمد بن محمد مصری، امام ابوالحسن علی بن فضل مقدسی مالکی، امام ابوعبداللہ ابن الحاج مالکی، علامہ ابوالقاسم عبد الرحمٰن، علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالمجید مالکی، علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی مالکی، امام تاج الدین فاکہانی مالکی، امام علاء الدین شافعی، امام نصیر الدین شافعی صاحب رسالہ ارشاد الخیار (ص:۲۰)۔ امام ابوبکر بن عبدالغنی، ابن نقطہ حنفی، امام شرف الدین احمد حنفی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی، علامہ محمد پیر علی آفندی حنفی اور علامہ محمد بشیر قنوجی حنفی اور دوسرے اکابر

علماء دین رحمہم اللہ نے اس بدعت کی بڑی مدلل، مفصل اور پرزور تردید فرمائی ہے۔ (صواعق الٰہیہ، ص:۲۳۴، ۱۳۵ از علامہ محمد بشیر قنوجی حنفی)

مزید تفصیل کے لیے حضرت مجدد العلوم والا جاہ سیّد صدیق حسن خان قنوجی کی کتاب دلیل الطالب (ص: ۴۰۵ - ۴۰۹)، استاذ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل حضرت سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کا فتاویٰ نذیریہ (۱/۲۱۴ - ۲۲۴) اور شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کا فتاویٰ (۱/۱۰۹ - ۴۴) ملاحظہ فرمائیے۔ بالخصوص فتاویٰ ثنائیہ ضرور پیش نظر رہے۔ کیونکہ عید میلاد کی بدعت کے جواز میں تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور جتنے کچے، فرضی اور لایعنی دلائل پیش کرنے کی سعی نامشکور کی جاتی ہے ان سب پر مفصل مگر عالمانہ تبصرہ اور ان تمام دلائل کے ترکی بہ ترکی مسکت جواب آپ کو اس فتاویٰ میں یکجامل جائیں گے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم حضرت شیخ الاسلام امرتسری کے ان علمی نگینوں اور تحقیقی جواہر پاروں کو اپنے ان چند اوراق کی زینت نہ بنا سکے کہ صفحات کی تنگ دامانی اس تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

حنفی علماء کے فتاویٰ:

اس بدعت کا اہتمام اور پرچار کرنے والے دوست چونکہ اپنے آپ کو اصلی حنفی کہتے ہیں، لہٰذا اگر وہ برا نہ مانیں تو ہم اصلاح عقائد کے نیک ولولے کے تحت ان کی خدمت عالیہ میں اکابر علماء احناف کے چند فتاویٰ پیش کرنے کی جسارت کررہے ہیں۔ امید ہے ہماری یہ جسارت نامناسب نہ ہوگی۔

۱۔ امام رجب بن احمد حنفی کا فتویٰ: آپ طریقہ محمدیہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”أما اجتماع النساء ومولدهن وتوحيدهن فقد ذكر الشعراني في تنبيه قال ابن الحاج: ومن جملة ما أحدثوه من البدعة مع اعتقادهم من أكثر العبادات ما يفعلونه من المولد وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات.“

(صواعق الهية، ص: ۲۳۵)

”عورتوں کا مجلس مولود میں جمع ہونا بدعت ہے جیسا کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے امام ابوعبداللہ بن حاج سے نقل کیا ہے کہ مجلس مولود میں جو کچھ کہا اور کیا جاتا ہے وہ سارے کا سارا بدعت اور حرام چیزوں کا ملغوبہ ہے۔“

۲۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی حنفی کا فتویٰ: آپ اپنے فتاویٰ ”تحفۃ القضاۃ“ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”سئل القاضي عن مجلس المولود الشريف قال: لا ينعقد لأنه محدث وكل محدث بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار، وما يفعلونه من الميلاد على رأس كل حول في شهر ربيع الأول ليس بشيء، ويقومون عند ذكر مولوده ﷺ ويزعمون أن روحه ﷺ يجيء وحاضر فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك وقد منع الأئمة عن مثل هذا.“ (فتاویٰ رشیدیه، ص: ۲۳۵)

”قاضی شہاب الدین سے مجلس مولود کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ مجلس نہ قائم کی جائے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ اور یہ بدعت جو جاہل لوگ ہر سال ربیع الاوّل کے مہینے میں کرتے ہیں یہ کوئی شرعی عمل نہیں۔ اور جو ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہوجاتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں آپ ﷺ کی روح تشریف لاتی ہے اور حاضر ہوتی ہے تو ان کا یہ عقیدہ باطل ہے بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے، اور ائمہ اسلام نے ان بدعات سے منع فرمادیا ہے۔“

۳۔ ابن عابدین شامی حنفی کا فتویٰ: آپ ”ردّ المختار شرح در المختار“ میں لکھتے ہیں:

”أقبح منه النذر بقراءة المولد في المنابر ومع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك إلى حضرة المصطفى ﷺ. (شامی صوائق الهیه)

”دوسری بدعتوں سے زیادہ قبیح بدعت یہ ہے کہ رقص

وآلات موسیقی کی دھنوں کے ساتھ میناروں اور گنبدوں پر میلاد پڑھا جائے، اور ثواب رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا جائے۔''

۴۔امام عبدالرحمٰن مغربی حنفی کا فتویٰ: مغربی حنفی لکھتے ہیں:

"إن المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والأئمة كذا في الشرعة الإلهية. (فتاویٰ رشیدیه، ص: ٤١٧)

''میلاد بدعت ہے جس کو نہ کہا اور نہ کیا رسول اللہ ﷺ نے، نہ خلفاء راشدین اور ائمہ دین نے، شرعۃ الٰہیہ میں ایسا ہی ہے۔''

۵۔مجدد الف ثانی کا فتویٰ: خواجہ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی سے جب مرزا حسام الدین نے میلاد النبی ﷺ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''بہ نظر انصاف بینید حضرت ایشاں دریں زماں موجودہ بودند ودر دنیا زندہ بودند وایں مجالس واجتماع کہ منعقد شدند آیا بایں راضی مے شدند وایں اجتماع را پشیدند یانہ یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمے فرمودند۔ مقصود فقیر اعلام بود قبول کنند یا نکنند ہیچ مضائقہ نیست وگنجائش مشاجرہ نہ اگر مخدوم زادہا ویاران آنجا ہمہ وضع مستقیم باشند ما فقیراں از صحبت ایشاں غیر از حرماں چارہ نیست۔ زیادہ چہ تصدیہ دہد، والسلام۔'' (مکتوبات، حصہ پنجم، ص:۲۲، مکتوب نمبر:۱۰۳، فتاویٰ نذیریہ:۱/۲۲۳)

''بنظر انصاف دیکھو کہ اگر بالفرض حضور ﷺ اس زمانے میں زندہ ہوتے (معلوم ہوا کہ مجدد الف ثانی حیات النبی ﷺ کے قائل نہ تھے) اور میلاد کی یہ مجلس اور اجتماعات منعقد ہوتے دیکھتے تو کیا اس بدعت پر راضی ہوتے؟ اور ان اجتماعات کو پسند فرماتے؟ فقیر کا یقین تو یہ ہے کہ آپ ﷺ اس بدعت کو ہرگز منظور نہ فرماتے بلکہ انکار ہی فرماتے۔ فقیر کا مقصد تو صرف اطلاع دینا ہے، قبول کریں یا نہ کریں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وہاں کے مخدوم زادے اور احباب اسی وضع (اس بدعت) پر اصرار کریں تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے بجز محرومی کے کوئی چارہ کار نہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔''

امام ابوعبداللہ محمد المعروف ابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ۔

کہ اگر مجلس میلاد گانے بجانے اور دوسرے تکلفات سے پاک بھی ہو تب بھی اس کا انعقاد بدعت ہے چہ جائیکہ اس میں رقص وسماع کا بھی اہتمام ہو۔

کتاب المدخل میں لکھا ہے:

"فإن خلا منه وعمل طعام فقط ونوى به المولد وصى اليه الإخوان وسلم من كان ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط إذ أن ذلك زيادة في الدين وليس من عمل سلف الماضين، واتباع السلف أولى ...... ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد ونحن لهم تبع فيسعنا وما وسعهم."

(سيرت شامي لمحمد بن يوسف شامي: ١/٤٥٣)

''اگر مجلس میلاد میں قوالی وغیرہ نہ بھی ہو اور صرف کھانا وغیرہ پکایا جائے اور اس سے مولود کی نیت کی جائے اور اس کی طرف لوگوں کو بلایا جائے اور جو کچھ باتیں (راگ ورنگ وغیرہ) کی لکھی گئی ہیں، ان سے بھی سلامت رہے تو بھی فقط نیت کی وجہ سے بدعت ہے، اس لیے کہ یہ دین میں اضافہ ہے۔ اور گزرے ہوئے سلف صالحین کا یہ عمل نہیں ہے۔ اور سلف صالحین کی پیروی بہتر ہے ...... اور سلف صالحین سے یہ عمل ہرگز منقول نہیں کہ انھوں نے مجلس میلاد کی نیت کی ہو۔ ہم تو سلف کی اتباع کرتے ہیں اور ہمارے لیے بس وہی دین کافی ہے جو سلف صالحین کے لیے کافی ہو چکا۔''

مفتی محمد شفیع حنفی کا فتویٰ: ''یوم میلاد کے جلسے جن تقیدات

وتعینات کے ماتحت ہورہے ہیں یہ تو وہی محفل میلاد ہے جس کو نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک تو قدیم طرز کی عید میلاد یا مطلق محفل میں اور ان جلسوں میں کوئی فرق نہیں، جس طرح وہ بدعت ہیں بلاشبہ یہ بھی بدعت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا کیا یہی حق امت پر ہے کہ سارے سال میں صرف ایک دن، اور وہ بھی محض تماشے کے طور پر، آپ ﷺ کا ذکر مبارک جھوٹے سچے رسالوں میں پڑھ دیا اور پھر سال بھر کے لیے فارغ! یہ جلسے (حالت موجودہ) بالکل بدعت اور بہت سے منکرات پر مشتمل ہیں، اس لیے سرے سے ان جلسوں میں شرکت واہتمام والتزام بدعت ہے جن کا ترک ضروری ہے۔ نئی نئی شریعتیں بجائے اصلاح کے ہمیشہ فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ امام مالک نے خوب فرمایا ہے، یعنی جو چیز آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۴، ۱۷۵)

قسط نمبر ④

مسئلہ ایصالِ ثواب کا تحقیقی جائزہ

ایصالِ ثواب کی جائز اور ناجائز صورتیں

حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف، دارالسلام، لاہور

۸۔ میت کے لیے قرآن خوانی؟

اب رہ گیا مسئلہ قرآن خوانی کا کہ اس طرح ایصالِ ثواب صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مذکورہ دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ قرآن خوانی بدنی عبادت ہے، جیسے نماز، روزہ بدنی عبادات ہیں، اور عبادات، بالخصوص بدنی عبادات، ایک دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کی جا سکتیں۔ کوئی شخص نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر کسی فوت شدہ کو ثواب نہیں پہنچا سکتا، اس لیے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ محض ہمارے مفروضے پر کسی کو ثواب نہیں پہنچ سکتا۔ فوت شدہ کے ذمے کچھ فرائض رہ گئے ہوں تو ان کو نیابتًا ادا کرنا اور بات ہے۔ اگر اس کی ادائیگی کے لیے شرعی دلیل موجود ہے تو ان کا ادا کرنا صحیح ہوگا (جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے) لیکن محض اپنی طرف سے نیکی کے کچھ کام کر کے کسی فوت شدہ کو اس کا ثواب پہنچانا، ایک الگ صورت ہے، اس کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ یہ دونوں ہی صورتیں ﴿لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ کے خلاف ہیں۔ لیکن پہلی صورت کو چونکہ احادیث نے اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اس لیے ان کے جواز اور بعض دفعہ وجوب میں کوئی شک نہیں۔ لیکن دوسری صورت اس قرآنی عموم کی رو سے ممنوع ہوگی، جب تک کہ اس کے لیے کوئی صحیح دلیل شرعی موجود نہ ہو۔

اور قرآن خوانی کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور قیاس سے معاملات میں کسی ملتی جلتی شکل کا حکم تو معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن عبادات میں قیاس کر کے اپنے طور پر کسی کام کو ثواب کا باعث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن خوانی کی حیثیت ایسی ہی ہے، اسے لوگوں نے اپنے طور پر مردوں کے لیے ثواب رسانی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، کسی شرعی دلیل سے اس کا اثبات نہیں ہوتا یا پھر بعض عبادات پر انھوں نے قیاس کیا ہے، حالانکہ عبادات میں قیاس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

قرآن خوانی، عملی کوتاہی کی وجہ:

قرآن خوانی کی رسم ایک تو اس لیے صحیح نہیں ہے کہ دلائل شرعیہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون (عہد رسالت، عہد صحابہ وتابعین) میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ اگر یہ کارِ خیر یا ایک جائز عمل ہوتا تو صحابہ وتابعین بھی اسے ضرور کرتے۔ اگر انھوں نے نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا تو اسے کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور جائز عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے، یہ رسم قوم کو بے عمل اور بدعمل بنانے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، جب ایک شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد لوگ مجھے قرآن پڑھ پڑھ کر بخشیں گے جس سے میری کوتاہیوں کی تلافی اور میری نجات ہو جائے گی تو ظاہر بات ہے کہ وہ زندگی میں احکام وفرائض اسلام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھے گا، ساری زندگی قرآنی اصولوں کے خلاف گزارے گا، نماز، روزوں کا اہتمام اور اسلام کے حلال وحرام کے درمیان تمیز ہی نہیں کرے گا۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا واقعۃً ایسا نہیں ہو رہا ہے؟ مسلمانوں کی اکثریت کیا واقعۃً اسلام کے احکام و فرائض سے یکسر غافل اور بے نیاز نہیں ہے؟ دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ کیا قرآن کریم مردے بخشوانے ہی کے لیے نازل ہوا تھا؟ زندوں کی راہنمائی کے لیے نازل نہیں ہوا تھا؟ قابلِ غور امر یہ ہے کہ جس شخص نے ساری عمر قرآن کریم سے راہنمائی حاصل نہیں کی بلکہ قرآنی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر زندگی گزاری، اب مرنے کے بعد اس کے لیے قرآن خوانی کیا واقعی منفعت بخش ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر قرآن کریم پر عمل کرنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہر بے عمل اور بدعمل مسلمان کو مرنے کے بعد دو چار چھ قرآن پڑھ کر بخش دو۔ بس اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ آہ

فلیبك علی الإسلام من كان باكیا

بخشش کا کتنا آسان نسخہ ہے، جو گھڑ لیا گیا ہے جس کی تائید نہ قرآن وحدیث سے ہوتی ہے اور نہ عقل و قیاس سے۔ مالکم کیف تحکمون!

قرآن خوانی کی قباحتیں:

بہر حال قرآن خوانی کی رسم جو بہت عام ہو گئی ہے، اس کا جواز محل نظر ہی ہے۔ شرعی دلائل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس کی اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جنھیں دیکھتے ہوئے اس کا جواز تسلیم کرنا بہت مشکل ہے، مثلاً:

قرآنِ کریم زندوں کے لیے آیا ہے کہ وہ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھالیں، اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تیار کریں اور اسے اپنی زندگی کا دستور بنائیں لیکن ایک مسلمان قرآن کریم کو اپنا دستور حیات تو نہ بنائے، اس سے ہدایت و راہنمائی تو حاصل نہ کرے بلکہ ساری زندگی اس کے اصول وضوابط کو پامال کرتے ہوئے گزار دے لیکن مرنے کے بعد اسی قرآن کو کرائے پر پڑھوا کر اس کو نجات کا ذریعہ سمجھا جائے؟ یہ قرآن کریم کا احترام ہے یا اس کے ساتھ استہزا و مذاق؟

اس طرح گویا قرآن کریم سے بے اعتنائی کا سبق دیا جاتا ہے، جب قرآن خوانی ہی کے ذریعے سے نجات ہو جائے گی تو پھر اس کے حلال و حرام کی پابندی کیا ضروری ہے؟ اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن خوانی کا رواج بالعموم انھی لوگوں میں زیادہ ہے جو زندگی میں قرآن کے احکام وقوانین کو ذرا اہمیت نہیں دیتے اور ساری زندگی اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم حیات بخش کتاب نہیں بلکہ مردہ بخش کتاب ہے، یہ زندوں کی راہنمائی کے لیے نہیں آئی بلکہ صرف مردے بخشوانے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ یوں قرآن خوانی کی رسم سے قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کے ذہنوں سے نکالا جا رہا ہے۔

اس اعتبار سے یہ رسم مسلمانوں کو بے عمل اور بدعمل بننے اور بنانے کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے، اس کا یہ نتیجہ ہی اس کے غیر شرعی اور غیر صحیح ہونے کے لیے کافی ہے، تاہم مذکورہ دلائل سے بھی اس کا عدم جواز واضح ہے۔

بعض ضعیف احادیث سے ہر قسم کی عبادات بخشنے کے جواز پر استدلال؟

دارقطنی کی دو روایات سے استدلال کر کے ہر قسم کی عبادات کا ثواب بخشنے کا جواز ثابت کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے والد کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا ہوں، ان کے مرنے کے بعد کیسے کروں؟ فرمایا: ''یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تُو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے بھی روزے رکھے۔''

ایک دوسری روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ

بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر اسے عطا کر دیا جائے گا۔'' (تفہیم القرآن: ۲۱۶/۵)

لیکن یہ دونوں روایات سنداً ضعیف ہی نہیں، من گھڑت ہیں، اس لیے ان سے استدلال صحیح نہیں۔ اس طرح کی بعض اور روایات بھی بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ بھی سخت ضعیف ہونے کی بنا پر ناقابل استدلال ہیں۔

۹۔ ایصال ثواب کے لیے غلام آزاد کرنا اور حج کرنا

البتہ اس ضمن میں ایک اور حدیث بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، ان کے چچا ہشام بن عاص نے ان کی وفات کے بعد اپنے حصے کے پچاس اونٹ (اپنے باپ کی طرف سے) ذبح کر دیے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما (عاص کے دوسرے بیٹے) نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو، یا صدقہ کرو، وہ ان کے لیے نافع ہوگا۔'' (تفہیم القرآن: ۶۱۲/۵)

یہ روایت مسند احمد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، اور سنن ابوداود میں بھی موجود ہے۔ (سنن أبي داود، رقم الحديث: ٢٨٨٣)

ابوداود میں ہے کہ سو گردنیں آزاد کرنے کی انھوں نے وصیت کی تھی، چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد ان کے ایک بیٹے ہشام نے پچاس گردنیں آزاد کر دیں اور دوسرے بیٹے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام کے بعد باقی پچاس گردنیں آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اگر تمھارے باپ نے اسلام قبول کر لیا تھا تو تم اس کی طرف سے جو غلام آزاد کرو گے یا صدقہ کرو گے یا حج کرو گے تو وہ اسے پہنچے گا۔''

یہ روایت ''عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده'' کی سند سے مروی ہے جس کی صحت کے بارے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے، تاہم اکثر محدثین نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے، اس لیے یہ روایت تو یقیناً قابل استدلال ہے لیکن اس سے صرف وہی امور ثابت ہوں گے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے اور وہ تین ہیں:

۱: غلام آزاد کرنا۔ ۲: صدقہ کرنا۔ ۳: اور حج کرنا۔

روزوں کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں مالی عبادات سے تعلق رکھتی ہیں جن کی اجازت صدقہ کرنے والی روایات سے بھی نکلتی ہے۔

اسی طرح حج کرنا بھی اسی کی طرف سے جائز بلکہ ضروری ہوگا کہ جو صاحبِ استطاعت تھا اور اس فریضے کی ادائیگی کا دل سے خواہش مند تھا لیکن بڑھاپے، بیماری یا اسی قسم کے کسی اور معقول عذر کی وجہ سے حج نہ کر سکا تو ورثاء کے ذمے اس کی طرف سے حج کی ادائیگی ضروری ہے۔ لیکن جس شخص نے استطاعت کے باوجود حج کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت برتی اور کبھی اس فریضے کی ادائیگی کی بابت سوچا بھی نہیں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، ورثاء کا اس کی طرف سے کیے گئے حج کا اس کو فائدہ پہنچنا محل نظر ہے جیسا کہ امام ابن القیم کے اقتباس میں اس پر پہلے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ علاوہ ازیں روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے ان تینوں کاموں کی اجازت میت کے بیٹے کو دی، اس لیے بعض علماء کے نزدیک صرف اولاد کی طرف سے میت کے اِیصالِ ثواب کے لیے یہ تینوں کام جائز ہوں گے۔ اس سے میت کی طرف سے ہر قسم کی عبادت کرنے کا جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لیے کہ عبادات توقیفی ہیں، ان میں قیاس و رائے کا دخل نہیں۔ تاہم امام ابن تیمیہ کے نزدیک اولاد کی شرط نہیں، کوئی بھی میت کی طرف سے یہ کام کر سکتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے نماز جنازہ ادا کرنے اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کرنے والوں

سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے، چاہے وہ کوئی ہو۔

(مجموع الفتاویٰ: ۲۴/ ۳۶۷)

بہر حال زیر بحث روایت سے صدقہ اور غلام آزاد کرنے کے علاوہ ایصالِ ثواب کے لیے حج کرنے کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۔ ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ کرنا

حج تمتع اور حج قِران میں عمرہ بھی حج کا ایک حصہ ہے۔ لیکن عمرہ بجائے خود ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے کہ کسی فوت شدہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے یا حج بدل کی طرح کسی زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حج کی بابت تو حدیث میں صراحت ہے کہ معذوری کی صورت میں حج بدل کی اجازت ہے، اِیصالِ ثواب کی نیت سے حج کرنا بھی جائز ہے، لیکن کیا یہ دونوں صورتیں عمرے میں بھی جائز ہیں؟ نیابت کے مذکورہ اصول کی رو سے ہمارا رجحان تو اس طرف ہی ہے کہ زندگی میں کسی کی طرف سے عمرہ کرنا صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح کسی فوت شدہ شخص کے لیے اِیصالِ ثواب کی نیت سے خالی عمرہ کرنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم کی یہ ایک طالب علمانہ رائے ہے، علماء اس بارے میں وضاحت فرما کر شکر گزار فرمائیں تا کہ اس پر مزید غور وفکر کیا جا سکے۔

مذکورہ مباحث کا خلاصہ:

بہر حال ایصالِ ثواب (فوت شدگان کو اجر وثواب پہنچانے کی نیت سے بعض نیکی کے کام کرنا) تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس مقصد کے لیے صرف وہی کام اسی حد تک مشروع (جائز) ہیں جس کی صراحت احادیث میں ملتی ہے، جیسے نذر کے روزے یا بقول بعض علماء رمضان المبارک کے روزے رہ گئے یا صاحب استطاعت ہونے کے باوجود کوئی حج نہیں کر سکا، (بشرطیکہ اس میں اس کی کوتاہی اور مجرمانہ غفلت کا دخل نہ ہو) یا کسی اور نیکی کے کام کی نذر مانی لیکن پوری نہ کر سکا۔ یہ تمام اعمال مرنے والے کے ذمے باقی رہ گئے۔ ان کا میت کی طرف سے ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسے اس کے ذمے بندوں کا قرض ہو تو اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لیکن یہ ادائے فرض کی وہ صورتیں ہیں جو ادائے قرض کی طرح ہیں، ان کو اللہ کا قرض قرار دیا گیا ہے، اس لیے ان کی ادائیگی ضروری ہے۔

دوسری صورت ادائے فرض کی نہیں ہے۔ صرف میت کے ورثاء اپنے مرنے والے کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں جس کو اِیصالِ ثواب کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے آپ نفلی نماز پڑھ کر، نفلی روزے رکھ کر ان کا ثواب میت کو نہیں پہنچا سکتے، اسی طرح قرآن خوانی کے ذریعے سے ثواب نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان کاموں کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے، البتہ میت کی طرف سے غلام آزاد کر کے، صدقہ وخیرات کر کے اور حج کر کے ان کو ثواب پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان کاموں کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

اسی طرح مرحومین کے لیے دعائیں کی جا سکتی ہیں، اس سے بھی انھیں فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کا ہمیں زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔



سیرت وسوانح

قسط نمبر ①

مولانا سلطان محمود محدث افغانی رحمہ اللہ

علم وعرفان اور حق وصداقت کا استعارہ

حافظ ریاض احمد عاقب اثری، ملتان

داعیانِ حق، اصحابِ عزم واستقلال اور حاملین کتاب وسنت کی فہرست بڑی طویل ہے، اور ان اصحابِ علم وفضل اور اربابِ عقل ودانش کی مساعی جمیلہ، جہود مخلصہ اور خدماتِ حسنہ کا دائرہ وسیع تر۔ ان داعیانِ توحید وسنت اور حاملانِ لواءِ اسلام نے تبلیغ دین کی خاطر صحرا نوردی کی، بیابانوں کی خاک چھانی، پہاڑوں اور جنگلوں کا رخ کیا، سمندروں اور دریاؤں کا سینہ چیرا، گرمی وسردی تک کی پرواہ نہ کی، بھوک وپیاس کو خندہ پیشانی سے قبول کیا، شہر شہر، نگر نگر، کوچہ کوچہ اور قریہ قریہ پرچم اسلام لہرایا۔ ان بزرگانِ دین متین اور طالبانِ علوم نبوت نے صفحہ ہستی پر اتنے گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کیے جو رہتی دنیا تک مٹ نہ پائیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ان اصحابِ صدق وصفا، داعیانِ حق اور خادمانِ قرآن وحدیث میں ایک ممتاز شخصیت عالم ربانی، حق وصداقت کی نشانی مولانا سلطان محمود محدث افغانی ثم ملتانی رحمہ اللہ کی ہے جو اسلامی اقدار کے نگہبان، دینی شعائر کے پاسبان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے راسخ العقیدہ داعی تھے۔ محدث ملتانی عزم صمیم اور غیر متزلزل جذبہ سے سرشار تھے۔ وہ ایسے صاحب حق وصداقت اور عزم واستقلال تھے کہ انھوں نے مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پیش آنے والے مصائب وآلام اور رکاوٹوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی ذات اقدس پر مکمل توکل کرتے ہوئے تمام مشکلات وموانع کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

قرآنِ مقدس کی تفسیر اور مختلف دینی وفقہی مسائل واحکام میں ان کی دقیق نظری اور گہرا شعور وادراک قابل تحسین تھا۔ وہ مسائل کی تفصیلات اور جزئیات ٹھوس اور محکم دلائل کے ساتھ بیان کرکے حاضرین محفل کی آبیاری کرتے تھے۔

مولانا سلطان محمود اپنے عہد کے بہترین مقرر، مؤثر مبلغ اور سلجھے ہوئے خطیب تھے۔ موصوف مختلف موضوعات پر بالعموم اور توحید وسنت کے موضوع پر بالخصوص مدلل گفتگو کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے دلائل سن کر سامعین کرام ان کے گرویدہ ہوجاتے اور عاملین بالکتاب والسنۃ کے قافلۂ حق میں شامل ہوجاتے تھے۔

وہ بلاشبہ اپنے عہد کے عظیم مبلغ، باکمال عالم دین اور منجھے ہوئے مدرس تھے۔ ایسی جلیل القدر اور عہد آفریں شخصیات مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں ؏

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ امر حیران کن اور باعث تعجب ہے کہ ۱۸۵۰ء سے لے کر ۱۹۰۹ء تک ملتان اور مضافاتِ ملتان میں قرآن وحدیث کا فیضان عام کرنے والے، توحید وسنت کی آبیاری کرنے والے اور شرک وبدعات کا استیصال کرنے والے اس داعی حق وصداقت کی خدمات جلیلہ منظر عام پر نہ آسکیں۔ آج تک مولانا محترم کے اخلاف کو اتنی ہمت نہیں ہوسکی کہ ان کے کارہائے نمایاں منصۂ شہود پر لانے کی کوشش وجستجو کرسکیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ مولانا موصوف کے اخلاف معلومات دینے میں پہلو تہی اور اعراض کی روش پر گامزن ہیں۔ راقم السطور نے جب بھی مولانا ممدوح کے قریبی عزیز واقارب سے ان

کے احوال دریافت کرنے کے لیے رابطہ کیا تو انھوں نے ہمیشہ تغافل شعاری کی راہ اختیار کی۔

راقم ناچیز نے اپنی کتاب ''مولانا عبدالتواب محدث ملتانی'' میں مولانا سلطان محمود ملتانی اور ان کے فرزندانِ گرامی مولانا عبدالعزیز ملتانی اور مولانا عبدالحق محدث ملتانی ﷭ کا اجمالی تعارف کروایا ہے۔ اس حقیر پر تقصیر کی دلی تمنا تھی کہ مولانا سلطان محمود محدث ملتانی اور ان کے خانوادۂ علمی کے احوالِ زیست اور خدمات جلیلہ کا بھی تذکرہ ہونا چاہیے۔

اربابِ علم وعرفان اور اصحابِ قلم وقرطاس سے التماس ہے کہ اگر انھیں مولانا سلطان محمود محدث ملتانی اور ان کے خانوادۂ علمی کے بارے معلومات ہوں تو لازمی احقر العباد کو مطلع فرمائیں۔

خاندانی پس منظر:

مولانا سلطان محمود محدث ملتانی ﷫ افغانستان کے آفریدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد گرامی مولانا فرید الدین خان کی پیدائش افغانستان میں ہوئی تھی۔ مولانا فرید الدین خان نے اپنے علاقے کے علماء کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ پیدا کی۔ موصوف علومِ دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔ بعض وجوہ کی بناء پر ۱۸۱۰ء کے پس وپیش مولانا فرید الدین خان افغانستان سے ہجرت کر کے ڈیرہ اسماعیل خان میں آ بسے۔

ڈیرہ اسماعیل خان آ کر مولانا موصوف نے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ آج بھی اس خاندان کے بعض افراد ڈیرہ اسماعیل خان میں آباد ہیں جن میں مولانا قاضی علاء الدین خان کا نام نمایاں ہے۔ موصوف سو سال سے تجاوز کر چکے ہیں۔ آپ کو مولانا محمد حسین مدنی اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے جس محلے میں رہائش پذیر ہیں اس محلے کو ''محلّہ علاء الدین'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کے والد گرامی مولانا مفتی محمود صاحب نے اسی خاندان سے تحصیل علم کیا تھا۔

خاندانی روایت کے مطابق مولانا فرید الدین خان کی اولاد میں مولانا عبداللطیف اور مولانا سلطان محمود محدث ملتانی زیادہ معروف ہوئے۔

اوّل الذکر مولانا عبداللطیف نے سیدین شہیدین کی تحریک مجاہدین میں شمولیت اختیار کرلی تھی اور انھوں نے ۱۸۳۱ء کے معرکۂ بالاکوٹ میں سکھوں سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ولادت باسعادت:

مولانا فرید الدین خان کے دوسرے فرزند ارجمند اور ہمارے ممدوح مولانا سلطان محمود محدث ملتانی کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے جن کی خدمات جلیلہ، مساعی حسنہ اور جہود مخلصہ کی بدولت بلدۂ ملتان میں توحید وسنت اور مسلک اہل حدیث کا فروغ ہوا۔ مولانا سلطان محمود محدث ملتانی کی تاریخ ولادت کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، البتہ صاحب ''فاروق العزیز'' نے مولانا موصوف کے بارے لکھا ہے کہ آپ تقریباً پچاسی سال کی عمر پا کر ۱۹۰۹ء میں فوت ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے مولانا ممدوح ۱۸۲۴ء میں پیدا ہوئے۔

باقی جو استاذی مکرم مولانا محمد رفیق اثری ﷾ نے مولانا شمس الحق ملتانی کے حوالے سے یہ تحریر فرمایا ہے:

> ''مولانا موصوف شاہ اسماعیل شہید کے حکم سے ملتان میں جہادی سرگرمیاں منظّم کرنے کے لیے تشریف لائے۔''

(محدث جلال پوری، ص: ۲۹۷)

صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مولانا سلطان محمود محدث ملتانی ۱۸۲۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور شہید اسلام مولانا سیّد اسماعیل شہید ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ بمطابق ۶/ مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر شہادت کے رتبے سے سرفراز ہوئے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سات سالہ کم سن بچے کو جہادی سرگرمیوں کو منظّم کرنے کے لیے

ملتان بھیجا گیا ہو؟

صحیح بات یہ ہے کہ مولانا سلطان محمود ۱۹۵۰ء کے پس وپیش ملتان تشریف لائے اور سیّد صاحب ان سے کافی عرصہ پہلے شہید ہو چکے تھے۔

بہرحال مولانا سلطان محمود ۱۸۲۴ء کے لگ بھگ ڈیرہ اسماعیل خان کے معروف علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام محمود رکھا تھا لیکن مشہور سلطان محمود کے نام سے ہوئے۔

تعلیم وتعلّم کا آغاز:

مولانا سلطان محمود کے والد محترم چونکہ علوم دینیہ سے بہرہ ور تھے، اس لیے انھوں نے اپنے اس فرزند کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔

مولانا سلطان محمود نے ابتدائی درسی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ بعد ازاں ڈیرہ اسماعیل خان کے معروف عالم دین مولانا قادر بخش ڈیروی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے درس نظامی کی مروّجہ کتب کی تکمیل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے موصوف نے دہلی کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی کے تلمیذ رشید اور عظیم عالم دین مولانا یحییٰ زاہد فارسی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے خوب استفادہ کیا، جیسا کہ مولانا سیّد عبدالحی حسنی رقم طراز ہیں:

"الشيخ العالم الصالح سلطان محمود بن فريد الدين الملتاني، أحد علماء المتورعين. ولد ونشأ بديره إسماعيل خان. قرأ بعض الكتب الدرسية على والده وأكثرها على مولانا قادر بخش الديروي الذي أخذ عن الشيخ خليل الرحمن الخوشابي تلميذ الشيخ الأجلّ عبد العزيز بن ولي الله العمري الدهلوي. ولقي كبار المشائخ، منهم الشيخ يحيٰى الزاهد الفارسي، أدركه في الهرم واستفاد منه، وكان الزاهد من أصحاب الشيخ عبدالعزيز المذكور."

(نزهة الخواطر: ۸/ ۱٦۲)

"شیخ عالم صالح سلطان محمود بن فرید الدین ملتانی علماء متورعین میں سے تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ انھوں نے کچھ درسی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں اور اکثر کتب مولانا قادر بخش ڈیروی سے پڑھیں، جنھوں نے مولانا خلیل الرحمٰن خوشابی، تلمیذ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی، سے اخذ علم کیا تھا۔ مولانا سلطان محمود نے بڑے بڑے شیوخ کرام سے ملاقاتیں کیں، ان شیوخ میں شیخ زاہد فارسی بھی ہیں جو اس وقت بڑھاپے کی حدود میں تھے، اور ان سے استفادہ کیا۔ شیخ یحییٰ زاہد فارسی مولانا عبد العزیز محدث دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے۔"

علاوہ ازیں مولانا محمود نے اپنے عہد کے عظیم عالم دین اور مشہور اہل اللہ شیخ حبیب اللہ قندھاری کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان کی مسنون طرزِ زندگی کو دیکھ کر خوب متأثر ہوئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ-۱۱۷٦ھ) اور مولانا سلطان محمود:

شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے وقت کے عظیم محدث، بلند پایہ مدرس ومحقق، نامور مفکر، ممتاز اہل قلم، بہترین مبلغ، جید سیاسی مدبر، فکر محدثین کے علمبردار، تقلید شخصی سے بیزار، توحید وسنت کے ترجمان، اتحادِ امت کے قدر دان اور مشن محدثین کے نقیب ونگہبان تھے۔ موصوف نے مسلم سلاطین کا آخری عہد دیکھا جب ہر طرف جہالت کی یورش تھی۔ سیاسی، معاشرتی وسماجی اور دینی وعلمی حالات روبہ زوال تھے۔ ہر طرف ظلم وستم اور قتل وغارت کا بازار گرم تھا۔ بدامنی اور بے اطمینانی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں اللہ ربّ العالمین نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی صورت میں ایسا عبقری محدث پیدا کیا جو آفتابِ سحر

کی طرح نمودار ہوا۔ انھوں نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اُجاگر کیا۔ توحید واتباع کی ترجمانی کی۔ دین اسلام کو تحریفات اور بدعات وخرافات سے پاک کیا۔ تصوف کو رہبانیت سے جدا کیا۔ سیاست کو خدمت اسلام کی راہ پر چلایا۔ امت مسلمہ کو اتحاد واتفاق کا درس دیا۔ تحقیق وتدقیق کی مسدود راہوں کو ہموار کیا۔ تقلید شخصی پر کاری ضرب لگائی اور فکر محدثین کو نمایاں کیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے پچاس سے زائد کتب عربی اور فارسی زبان میں لکھیں۔ تقلید اور عمل بالحدیث کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی تصانیف بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید اور الانصاف میں جو موقف اختیار فرمایا ہے وہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ مولانا قاضی اسلم سیف لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے تقلید کے ان بندھنوں کو توڑا اور بڑی جرأت سے اس موقف کا اظہار کیا کہ حق ایک ہی امام سے وابستہ نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کے ہر اُس اجتہاد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف نہ ہو، چنانچہ آپ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے فقہ وحدیث میں تطبیق کی راہ ڈالی۔ ہر وہ قولِ امام جو حدیث کے مطابق ہوا اُسے قبول کیا اور جو قول حدیث رسول ﷺ کے مخالف ومتصادم ہوا اُسے ترک فرمایا۔

شاہ صاحب نے اقوالِ ائمہ کی تاویل کی یا انھیں ترک کردیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ علمائے سوء کی طرح قرآن وحدیث کے بارے میں آراء باطلہ اور تاویلات فاسدہ کے قائل نہیں تھے جیسا کہ اقبال نے فرمایا ہے:

زمن بر صوفی و ملاں سلامے
کہ قول خدا گفتنہ مارا
ولے در تاویل ایشاں حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را''

(تحریک اہل حدیث، ص:۲۰۵)

ہمارے ممدوح مولانا سلطان محمود محدث ملتانی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف سے خوب استفادہ کیا جن کے مطالعے سے آپ پر توحید خالص، جذبہ اتباع سنت اور عمل بالحدیث کا رنگ غالب آ گیا۔ مولانا موصوف اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے توحید حضرت شاہ صاحب سے سیکھی ہے۔ (فاروق العزیز، ص:۲۹)

مولانا سلطان محمود اپنے اردگرد کے بدعی ماحول اور خاندانی رسوم رواج سے بہت نفیر تھے۔ جب انھیں سیّد اسماعیل شہید کے تربیت یافتہ مجاہدین کی صحبت میسر آئی تو انھوں نے بدعات وخرافات اور ہندووانہ رسوم ورواج کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔



اجلاس

جامعۃ العلوم الاسلامیہ گلشن راوی لاہور کے طلباء کا اجلاس زیر صدارت استاذ القراء قاری محمد عزیر صاحب منعقد ہوا۔ اور پروفیسر ساجد میر صاحب کی صحت کے لیے دعا کی گئی کہ انھیں دین حنیف کے لیے اپنی خدمات جاری رکھنے کی اللہ توفیق عطا فرمائے۔

(قاری جاوید اقبال، مدیر تعلیم جامعہ ہذا)

تعلیم وتعلّم

شعبہ تعلیم میں سرمایہ کاری کی ضرورت

عطاء محمد جنجوعہ

عصر حاضر میں صلیبی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھلا کر شتر بے مہار آزادی کو ماٹو بنا لیا، صلیبی تھنک ٹینک جس کے پرچار کے لیے کوشاں ہیں۔ امریکہ ملت اسلامیہ کے اذہان کو مسخر کرنے کے لیے میڈیا اور تعلیم کے شعبے پر ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ مسلم حکمران امریکی دباؤ کی وجہ سے روشن خیالی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا پر نگاہ ڈالنے سے یوں گمان ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں صرف جنسی میلان استوار کرنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے۔ وہ مسلمان جنھوں نے بچپن میں دین کی بنیادی تعلیم حاصل کی ہواُن کو آزادی کی روشن پری کا اسیر بنانا قدرے مشکل امر ہوتا ہے، اس لیے امریکہ مسلم دنیا کی نئی پود کو اسلامی تعلیم وتزکیہ سے محروم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

امریکہ نے افغانستان کی تعلیمی درسگاہوں کو مغربی ماحول میں ڈھالنے کے بعد عراق کا تعلیمی نصاب بھی تبدیل کر دیا ہے۔ نئی درسی کتب کے پرنٹ کے لیے ۶۵ ملین ڈالر کی لاگت سے نیا نصاب تشکیل اور اساتذہ کی تربیت کا خصوصی انتظام کیا ہے۔ تعلیمی رجحانات میں یہ تبدیلی سعودی عرب، کویت اور یمن میں بھی جاری ہے۔

امریکی حکومت نے پاکستان کی معیشت پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ذریعے قبضہ جمانے کے بعد پاکستان کے تعلیمی نظام کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لیے اقدامات شروع کیے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکی حکومت اور آغا خان یونیورسٹی کے درمیان ۱۳/ اگست ۲۰۰۳ء کو معاہدہ طے پایا جس کے تحت آغا خان یونیورسٹی ملک بھر کے ۲۳ تعلیمی بورڈز کا نظام اپنے ماتحت چلائے گی۔ ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ امریکی حکومت آغا خان بورڈ کو ۴۵۰ لاکھ ڈالر کی امداد بھی فراہم کرے گی۔ (نوائے وقت، ۲۹ جنوری ۲۰۰۴ء)

نئے نصاب اور امتحانی نظام میں جنسی تعلیم کے فروغ کو محور بنایا گیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان جس ایٹمی پاکستان کو اسلام کا قلعہ تصور کرتے تھے وہ صہیونی جنگ میں امریکہ کا لاجسٹک اتحادی اور عالم اسلام میں فکری یلغار برآمد کرنے کے لیے اس کا ماڈل اور آلہ کار بن گیا۔

برصغیر کی تعلیمی درسگاہوں میں دینی ودنیوی تعلیم کا امتزاج تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مذکورہ نظام کو درہم برہم کر کے اسکول وکالج قائم کیے ہیں، تاہم ابتدائی تعلیمی نصاب میں اسلامیات بطور مضمون شامل رہا۔ آزادی کے کچھ عرصہ بعد عربی بھی مڈل کے نصاب میں لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل ہوئی۔ حکومت نے اہل مغرب کے دباؤ پر نصاب کو تبدیل کر دیا۔ عربی زبان اختیاری ہوگئی لیکن انگلش زبان کی تدریس پہلی جماعت سے لازمی ہوگئی ہے۔ دیگر مضامین کا نصاب انگلش میں منتقل ہوگیا ہے۔ ۲۰۱۱ء کے تعلیمی سال سے تمام بچے انگلش میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دینی تعلیم سے ملت اسلامیہ کی نئی نسل میں اللہ کی حاکمیت اور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت اور دشمنانِ اسلام کے خلاف اصلاحی جدوجہد کا جذبہ ابھرتا ہے۔ لیکن حکومت نے اسلامیات کے نصاب کو صرف اخلاقی تعلیم تک محدود کر دیا ہے۔ جوا، سود، شراب کی حرمت اور زنا، چوری اور نشہ کی ممانعت سے متعلق آیات واحادیث کو شامل کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

ارباب علم ودانش کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچپن کا علم پتھر پر لکیر کی مانند ہوتا ہے، چنانچہ مسلم تنظیموں کا فرض منصبی ہے کہ ممکنہ آئینی ذرائع بروئے کار لا کر حکومت کو نظریہ پاکستان سے وفاداری کا احساس دلائیں تاکہ وہ نئی پود کے ملی وقومی شعور کے تحفظ کے لیے اسلامی تعلیم وتزکیے کا اہتمام کرے اور اسلام سے بے بہرہ کرنے والی میڈیا کی منفی سرگرمیوں کا محاسبہ کرے۔

اسرائیل ایسی ریاست ہے جو نسلی و مذہبی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی، وہ اپنے نظریے پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ وہاں پرائمری سطح تک تعلیم مذہبی اداروں میں دی جاتی ہے اور اُن کو قومی زبان عبرانی بھی سکھائی جاتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ یورپ میں مقیم رہے یا امریکہ میں، انھوں نے اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے مذہبی اداروں میں دی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سترہ صدیوں تک صلیبی درندوں کی چیر پھاڑ کا ہدف رہنے کے باوجود انھوں نے اپنا قومی تشخص برقرار رکھا۔ اس وقت بھی امریکہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی سکول قائم ہیں جن کی تعداد ۳۰ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

مسلم دنیا میں پاکستان بھی اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ملک ہے، جہاں آئینی طور پر قرآن وسنت کی حکمرانی تو درکنار نصاب تعلیم کی تدریس کا کام بھی غیر مسلموں کی مرضی کے مطابق تشکیل دیا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان صحت کی سہولت فراہم کرنے اور تعلیم عام کرنے کے لیے امریکی این جی اوز کو طویل المیعاد ٹھیکے پر زمینیں الاٹ کررہی ہے۔

صہیونی تحریک نے روس میں کمیونزم کو بھسم کرنا تھا تو پاکستان میں اسلامی تشخص کو اجاگر کرنا اُس کی مجبوری تھی۔ لیکن کمیونزم کے زوال کے بعد جب صہیونی تحریک نے اسلام کو مسخ کرنا اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنا اپنا ہدف بنا لیا تو پاکستان میں روشن خیالی کے نام پر بے حیائی کا طوفان اُمڈ آیا۔

صہیونی سرپرستی میں ہم جنسی کو فروغ دینے کے لیے عالمی سطح پر LGBTIQ ایک تحریک ہے- مغرب میں مقیم وہ مسلم سکالر جن کا موقف ہے کہ مسلم معاشرے میں ہم جنس پرستی کوئی گناہ نہیں۔ امریکہ کی تگ ودو ہے کہ ایسے سکالروں کو پاکستان کی یونیورسٹیوں میں تعینات کیا جائے، اس لیے جدت پسند حکومت سے اسلامی اقدامات کے فروغ کی توقع رکھنا خود فریبی اور وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے، چنانچہ مسلم امہ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسلام کے منافی حکومتی اقدامات پر نہی عن المنکر کا فریضہ کمال حکمت عملی سے ادا کریں۔

برصغیر کے مسلم مفکرین نے ایسٹ انڈیا کے دورِ حکومت میں کٹھن حالات کے باوجود کتاب وسنت کے علم کو نئی پود تک منتقل کیا۔ نائن الیون کے بعد امت مسلمہ دوبارہ اُسی دوراہے پر کھڑی ہے، چنانچہ مسلم تنظیمیں اپنی مدد آپ کے تحت ملی وقومی شعور کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اسلامی تعلیم وتزکیہ کا اہتمام کریں۔

اسلامی ماہرین تعلیم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فہم قرآن وحدیث اسلامی تعلیم کی اساس ہے۔ امام ابن خلدون کا موقف ہے کہ بلاد اسلامیہ میں قرآنِ کریم کی تعلیم کو تمام مراحل تعلیم کی اساس ہونا چاہیے کیونکہ یہ دین اسلام کا بنیادی نامہ ہدایت ہے جو عقیدے میں پختگی اور ایمان میں رسوخ پیدا کرتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ سکول میں بچے کی بالتدریج تعلیم وتربیت بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآنِ حکیم پھر فرامین نبوی پھر نیک لوگوں کی حکایات اور پھر فقہی احکام کی تعلیم کو پیش کیا ہے۔

اصحاب علم مختلف سکولز میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کی دینی تعلیم کا جائزہ لیں تو نصف سے زیادہ پود قرآن خوانی کی استعداد سے محروم ہوگی۔ بلاشبہ روزِ محشر اُن کے والدین سے باز پرس ہوگی۔ لیکن اصحابِ محراب ومنبر سے بھی جواب دہی ہوگی کہ انھوں نے نئی پود کی اسلامی تعلیم کا اہتمام کیوں نہیں کیا اور اُن کے والدین کو اس امر کی دعوت کیوں نہیں دی؟

وطن عزیز کے ہر محلے اور گاؤں میں دیدہ زیب مساجد موجود ہیں جو کسی نہ کسی مسلکی تنظیم سے وابستہ ہیں۔ مسجد سے منسلک آبادی کے لحاظ سے نمازیوں کا تقابلی جائزہ لیں تو اُن کی تعداد نہایت کم ہے۔ الحمد للہ، اکثر مساجد میں مقامی بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے کا اہتمام ہے لیکن بعض مساجد میں یہ سہولت میسر نہیں۔

مذہبی جماعتیں انتخابی سرگرمیوں کے لیے متحرک رہتی ہیں۔ ہڑتالوں اور دھرنوں کو کامیاب بنانے کے لیے دیہی علاقوں کا دورہ کرتی ہیں۔ اُن سے دردمندانہ التماس ہے کہ وہ مقامی عہدیداروں کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ اپنے علاقے کے مکینوں کو نماز قائم کرنے کی دعوت دیں۔ مسجد میں ناظرہ قرآن کی تدریس کے لیے حافظ کا اہتمام کریں۔ محلے کے بچوں کو فہم قرآن کی دعوت دیں۔ ضلعی تنظیمیں اُن کی مالی ودیگر مشکلات کا ازالہ کریں۔ کوتاہی کی صورت میں اُن کا محاسبہ کریں۔ طلباء

وطالبات کو قرآنِ کریم کی تعلیم فراہم کرنا اور اسوۂ حسنہ سے روشناس کرانا عصر حاضر میں صہیونی فکری یلغار کا مؤثر اور دیرپا دفاعی لائحہ عمل ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دینی مدارس کو بند کردیا تھا اور اُن کی جائیدادیں اور اثاثے ضبط کرکے اپنے ہم نواؤں میں تقسیم کردیے۔ اس کٹھن دور میں جماعت مجاہدین انگریزوں کے خلاف برسر پیکار رہی۔ دوسری طرف علماء کے ایک طبقے نے نامساعد حالات کے باوجود حجروں میں اور درختوں کے سائے تلے ٹاٹ بچھا کر قرآن وحدیث کی شمع روشن رکھی۔ موجود دور میں وہی حالات درپیش ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو تنظیمیں یہود ونصاریٰ کے مظالم کے خلاف مظلوم مسلمانوں کی پشت پناہی کررہی ہیں اُن سے بھرپور تعاون کیا جائے۔

حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی سے عصری تعلیمی ادارے یورپی تہذیب وتمدن میں ڈھل چکے ہیں۔ مزید برآں حکومت معروف دینی مدارس کو سکول وکالج کے ماحول میں تبدیل کرنا چاہتی ہے، چنانچہ دیہی علاقوں میں خالص کتاب وسنت کی تعلیم اور روحانی تزکیہ کے لیے نئے مدارس قائم کیے جائیں۔

اس وقت دینی مدارس کے تحفظ کے لیے علماء متحد ومتحرک ہیں۔ مخلص احباب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر علماء کو آمادہ کریں کہ وہ قرآن وحدیث کو بنیاد بنا کر دینی مدارس کے نصاب میں یکسانیت کو فروغ دے کر فرقہ وارانہ کشیدگی کے ماحول کو سازگار بنائیں۔

مزید برآں زیر تعلیم طلباء کو معروف غیر ملکی زبانوں کے علاوہ معاشیات، نفسیات اور سیاسیات سے روشناس کرائیں۔ اسلام اور مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ کرایا جائے تاکہ وہ جدید دور میں اسلام کی تبلیغ مؤثر انداز میں کرنے کے اہل ہوجائیں۔

صہیونی ورلڈ آرڈر کے گماشتے ایک طرف بھیڑیے بن کر امت مسلمہ کا خون چوس رہے ہیں اور دوسری طرف بین المذاہب کانفرنسیں منعقد کرکے وحدت الادیان کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ جدید مسلم مفکرین اس سازش کا شکار ہوگئے۔ وہ انسانی بھائی چارہ کا نعرہ لگا کر یہود ونصاریٰ سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ حکومت دینی مدارس کو بھی وحدت الادیان کی صہیونی پالیسی پر کاربند کرنا چاہتی ہے۔ علماء اس سازش کے سد باب کے لیے ملی اتحاد کو پائیدار بنائیں۔ دفاعی لحاظ سے روکھی سوکھی کھا کر آسمان کے سائے تلے درس وتدریس کے لیے کمر کس لیں لیکن یہود ونصاریٰ کی خباثتوں کو طشت ازبام کرنے سے باز نہ آئیں۔

ریاست میں مفت تعلیم کی فراہمی اور صحت کی سہولتیں عام کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ چونکہ پاکستان اربوں ڈالر کا مقروض ہے اس بنا پر حکومت تعلیمی بجٹ کو بوجھ سمجھتی ہے، اس لیے حکومت پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔

عیسائی، قادیانی اور سیکولر سرمایہ دار طبقہ اس شعبے پر چھا گئے ہیں۔ وہ ایک طرف بھاری فیس وصول کرکے دولت کما رہے ہیں اور دوسری طرف نئی نسل میں اسلام سے نفرت کے جراثیم داخل کررہے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی جماعتیں روحانی انقلاب برپا کرنے کے لیے تعلیمی میدان کا رخ کریں۔

دینی جماعتیں اسلامی ذہن کے سرمایہ داروں کو ترغیب دیں کہ وہ شتر بے مہار آزادی کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے اور وطن عزیز میں روحانی انقلاب برپا کرنے کے لیے تعلیمی شعبے میں سرمایہ کاری کریں۔ سرمایہ دار طبقہ اگر مل یا فیکٹری میں کوالٹی کنٹرول پیداوار مہیا کرتے ہیں تو یہ اُن کی قومی خدمت تو ہے لیکن صدقہ جاریہ نہیں۔

اگر وہ محلّہ اور گاؤں کی بنیاد پر پرائمری اور قصبے کی سطح پر ہائی اسکولز کا اِجرا کرکے طلباء وطالبات کی اسلامی ماحول میں آبیاری کا اہتمام کریں تو اس طرح وہ رزق حلال بھی کمائیں گے اور یہ کام اُن کے لیے صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔ ان سکولز میں سائنس، انفارمیشن، ٹیکنالوجی، زرعی وصنعتی مہارت حاصل کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ان درسگاہوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہو کہ اُن میں طلباء وطالبات کی تربیت کا اہتمام خالص اسلامی منہج پر کیا جائے تاکہ ایسے طلباء پاکستان کی ترقی واستحکم میں قائدانہ کردار ادا کرسکیں اور صہیونی افکار کی یلغار کا علمی انداز میں محاسبہ کرسکیں۔

تہذیب وثقافت

کتاب ہمارا ثقافتی وملّی ورثہ

پروفیسر مولابخش محمدی، سندھ

زمانہ طالب علمی میں جب کراچی یا لاہور جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو مختلف جگہوں پر نئی پرانی کتب سے ضرور بکس بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ ہم جیسوں کے لیے سب سے زیادہ کشش کتب میں ہوا کرتی تھی۔ اس وقت کے کتب خانے بھی تہذیب وترتیب، حسن انتخاب اور نفاست کا مثالی نمونہ تھے، جہاں ہر وقت بڑے بڑے دانشور، ادیب، صحافی، اہل قلم، علماء عظام کتابوں کی ورق گردانی کرتے نظر آتے تھے۔ ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کی طرح مدارس اسلامیہ کے طلباء بھی دور دراز علاقوں سے آکر علمی تشنگی دور کیا کرتے تھے۔لیکن ستم ظریفی زمانہ کہیے کہ آج کے طلباء وعلماء کی توجہ کتب کی طرف نہیں رہی۔ یوں کتب سے بے نیازی نے لوگوں کو علوم ومعارف کے خزینے سے محروم کردیا ہے۔

کتب نایاب ہیں اچھی نوٹ بک عنقا، قلم کی تلاش بے سود، ان جگہوں پر ریڈی میٹ کپڑوں، چمکتے جوتوں، فاسٹ فوڈ کے کھوکھوں نے ڈھانپ لی ہے۔ ''ایکسپوسینٹر'' کے کتاب میلے میں کسی نے کیا خوب تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''جب تک والدین کتابیں پڑھا کرتے تھے تو ان کے بچوں کو بھی کتابوں سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں لوگ بسوں اور گاڑیوں کا انتظار کرتے وقت بھی مطالعہ کتب سے مستفید ہوتے ہیں لیکن ہم نے کتابوں سے اپنا رشتہ منقطع کرکے اپنی نئی نسل کو ایک نعمت غیر مترقبہ سے محروم کردیا ہے۔

کسی زمانے میں لوگ وقت کے اچھے مصرف کے لیے کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تو اُسی میں محو ہو جایا کرتے تھے اور قاری کی پوری ہستی اُسی ماحول میں ڈھل جایا کرتی تھی۔ چونکہ ہر کتاب کسی نہ کسی کے تجربات، محسوسات، تحقیق وتدقیق، سوچ اور شخصیت کی عکاس ہوتی ہے۔ مطالعۂ کتب معلومات، حقائق، تجربات اور مشاہدات تک رسائی کا ایک اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ مطالعے کے ذریعے انسان نامعلوم حقائق اور ان کے علم وفہم تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ کسی زمانے میں جب اساتذہ کتب پڑھنے کی اہمیت پر پر مغز تقاریر اور لیکچر دیا کرتے تھے تو ہم سوچا کرتے تھے کیا ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کو مطالعے کا اشتیاق نہیں؟ دیہات میں لوگ معمولی چراغ، لالٹین اور ٹارچ کی روشنی میں بھی رات کو مطالعہ کیا کرتے تھے۔ مطالعۂ کتب کی اہمیت اس بات سے بخوبی لگائی جاسکتی ہے کہ ایک انسان اپنی محدود اور مختصر زندگی میں اتنے بہت سارے اہل قلم، اہل علم، متنوع شخصیات سے کس طرح ملاقات کرکے ان کے اذہان وافکار سے استفادہ کرسکتا ہے لیکن ان کی کتب کا مطالعہ اس پریشانی کو ختم کردیتا ہے اور یوں کتاب کے مطالعے سے ان کی پوری تحقیق سے مکمل آگاہی مل جاتی ہے۔

آپ تحقیق وتدقیق کے میدان میں جھانکیں، تاریخ وسیرت کے میدان میں جائیں، سفرناموں اور آپ بیتیوں کی دنیا کو ڈھونڈیں، طب اور نفسیات کے سائنس اور سماجیات کے نئے واقعات اور حقائق کا ادراک رکھیں، علم الادیان پر مطالعہ عمیق کریں، یعنی انسان کتاب کی دنیا میں جہاں چاہے جاسکتا ہے۔ پھر عجیب تو یہ کہ ہر مصنف کا اندازِ بیان بھی اپنا ہوتا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے دوسروں کی زندگیوں میں جھانک کر دوسروں کے دکھ درد سے آگہی وآشنائی حاصل ہوتی ہے۔ کتاب زمانے میں سب سے خوبصورت اور وفا

شعار دوست ہے، کسی عربی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؏

فمحبوبي من الدنيا كتابي

''دنیا میں میری محبوب کتاب ہے۔''

لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ مستقبل کے معمار ہمارے بچے طلباء اور شاہین صفت نوجوان اپنا بڑا وقت مختلف قسم کے کھیلوں میں صرف کردیتے ہیں جس کی سرپرستی ہماری حکومتیں کرکے ان کو کتب کے زیور سے محروم رکھنے کے کارِ خیر میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ اگر بچپن میں بچے سے قلم اور کاغذ چھین لیا جائے تو پھر نوجوانی میں ان میں یہ عادت ڈالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

کتب خانے کسی قوم کا سرمایہ حیات تصور کیے جاتے ہیں۔ کاش! ہمارے بچوں میں فروغِ مطالعہ کی عادت کسی طرح پختہ کی جائے تاکہ ہمارے کتب خانے ہمارا علمی اثاثہ بن سکیں، اور لائبریریاں ویران ہونے کی بجائے پر رونق ہوسکیں۔ جہاں سے تشنہ لب اپنی پیاس بجھاسکیں۔

مقررکورس کے اختتام پر ہمیں طلباء کے ذہن نشین یہ بات کرانی چاہیے کہ تم نے مروّجہ علوم کے کورس کو تو مکمل کرلیا ہے لیکن علم کے اصل دروازے پر اب پہنچے ہو، لہٰذا ساری زندگی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی محنت، اشتیاق، بے پناہ لگن سے اعلیٰ مقام حاصل کرو، علم کے تابناک نقوش اور آگے ہیں۔

علمی جولانگاہ میں جب پاؤں رکھ چکے ہو تو آخری دم تک خود کو حصول علم کے لیے وقف کردو، کتاب سے ایسا اٹوٹ اور مستقل رشتہ جوڑے رکھو۔ مطالعے کے لیے صرف اپنا مسلک ہی پیش نظر نہ رہے بلکہ اپنے وقت کے اور ماضی کے مشاہیر اسلام کے جید محققین، مدققین، مصنّفین، اصحاب علم وفضل اور اسلام کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کا دفاع کرنے والی مثالی شخصیات کے علاوہ ادبی شخصیات کو بھی زیر مطالعہ لائیں۔ آپ کو جہاں علوم قدیم، کتاب وسنت، منطق، فلسفہ، اصول، کلام، مناظرہ، فقہ، بلاغت، ادب عالیہ پر عبور ہو وہاں پر دور جدید کے اہم اور سلگتے ہوئے مسائل کا ادراک بھی ہونا چاہیے، لہٰذا معروف روزناموں، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہناموں کے علاوہ سہ ماہی علمی وادبی مجلّات سے بھی خوب استفادہ کرنا چاہیے تاکہ پورے حالات حاضرہ سے آگاہی رکھ سکو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قلم وقرطاس سے رشتہ استوار کرنے اور عمل صالح کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

جسم کی طرح ذہن کی غذا اچھے خیالات وافکار اور مثبت سوچ ہوتی ہے۔ انسانی ذہن اُس باغ کے مانند ہوتا ہے جس کا خیال نہ رکھو تو اُجڑے دیار کا منظر پیش کرتا ہے۔

حکیم بطلیموس نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ کتابی علم ایک خوبصورت درخت ہے جو فکر وفہم اور ذہن ودماغ میں نمودار ہوتا ہے اور پھر زبان اس کے مطابق شیریں اور ثمر آور پھل دیتی ہے۔ ماضی کے مشاہیر کی تو آرزو تھی کہ ؏

فراغتے وکتابے وگوشہ چمنے

آج بھی جو شخص فائز المرام ہوتا ہے اُس نے کسی ادارے سے کوئی بڑی ڈگری حاصل کی ہو یا نہ مگر انھوں نے کتاب اور کائنات کا مشاہدہ ضرور کیا ہوگا۔

ہم نشینی بہ از کتاب مخواہ
کہ مصاحب بودگاہ وبے گاہ

آخر میں مختصراً کتاب اور کتب خانوں پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے جائیں۔

زمانۂ قدیم میں کتابیں پتھروں، مٹی کے تختوں، درخت کے پتوں، چھال، کپڑے اور چمڑے وغیرہ پر تحریر کی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت بھی پتھروں پر کندہ ہے۔ کاغذ کی ایجاد کا سہرا ہمسایہ ملک چین کے سر جاتا ہے۔ پندرھویں صدی میں چھاپا خانہ ایجاد ہوا۔ چینی زبان میں پہلی کتاب ۸۶۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی، اور ہندوستان میں پرتگیزوں نے پہلی کتاب ۱۵۵۶ء میں چھاپی۔ قدیم ''نینوا'' کے

کھنڈرات میں سات سو ق م کا پرانا کتب خانہ دریافت ہوا اور اس کے علاوہ چھٹی صدی ق م کے یونانی کتب خانوں کا بھی سراغ ملتا ہے۔ ارسطو اور افلاطون کے زمانے میں تو باقاعدہ کتب خانے معرض وجود میں آ چکے تھے۔ مصر میں دو ہزار سال ق م سکندر اعظم کے سپہ سالار بطلیموس نے بھی کتب خانہ قائم کردیا تھا۔ روم میں بھی دور قدیم سے کتب خانوں کی گواہیاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں تو باقاعدہ کتب خانے نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ مسلمانوں کے ہاں اوّلین کتب خانے مساجد میں قائم کیے گئے جس کے ساتھ مسلمانوں نے کتابوں کو باقاعدہ بہترین بائینڈنگ کے ساتھ الماریوں میں فن اور سلیقے سے سجا رکھا تھا، جس کو دور عباسیہ میں مزید ترقی وترویج ملی۔ یہ اشتیاق اس وقت کے بادشاہوں، رؤساء اور امیروں تک جا پہنچا تھا۔

انتہائی اعلیٰ شان سے بغداد کا پہلا عظیم الشان کتب خانہ ''بیت الحکمۃ'' کے نام سے خلیفہ ہارون الرشید نے قائم کیا تھا جس میں دس لاکھ سے بھی زائد کتب تھیں۔ جسے ۱۶۵۶ء میں تاتاریوں کے ہلاکو خان نے کتب خانے کو برباد کرکے دریا برد کردیا تھا جس کی وجہ سے عرصہ دراز تک دریا کا پانی بھی سیاہ ہوگیا تھا۔

اس کے علاوہ قاہرہ، اندلس اور برصغیر کے کتب خانے اپنی مثال آپ تھے۔ وادیِ سندھ میں تو چپے چپے پر کتب خانے تھے۔ بہرحال ہمیں فکر فردا سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ہمیں کتاب سے رشتہ جوڑنا چاہیے تاکہ مطالعہ کی عادت پختہ ہوجائے، پھر ساری زندگی حصول علم میں مگن رہ سکیں، اور اپنے آباء واجداد کے کتب خانے، جو ہمارا علمی اثاثہ ہیں، ویران ہونے سے بچ جائیں۔ خدا سب کو اس شادمانی سے سرشار کردے تاکہ موجودہ دنیا کی باقی مکروہات ومصائب بے معنی ہو کر رہ جائیں، آمین۔



ترقی اور عروج کی علامت

محمد سلیم چنیوٹی

ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس پوری کائنات کی بلاشرکت غیرے حاکم ہے۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے بھی ہر سچے مسلمان کا ایمان ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی امت محمدیہ آخری امت اور آپ کا دین، یعنی اسلام آخری دین ہے۔

پاکستان کا قیام جس مقصد کے لیے ہوا تھا اور جس کا یقین سمجھا گیا تھا کہ اس مملکت میں پاکستان کے تمام شہریوں کو بلاتفریق مذہب آزادی کی نعمتیں میسر ہوں گی۔ اپنی زمین اور اپنا معاشرہ ہوگا۔ اس آزاد مملکت میں ایک اللہ اور ایک رسول ﷺ کے احکامات چلیں گے، یا کم از کم خلافت راشدہ کا نظام چلایا جائے گا۔ علی ہذا القیاس

اس وقت پاکستان میں جس قسم کے حالات دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ نئے انتخابات کی ہوائیں چلتے محسوس ہونے لگی ہیں۔ ہر پارٹی اور ہر لیڈر نئے انتخابات کے لیے پر پرزے نکال رہا ہے۔ ملک کے ہر گوشے، ہر شہر اور ہر قریہ میں پارٹیاں بدلنے، سیاسی وابستگیاں تبدیل کرنے اور لیڈری کے چکر میں ہر سیاستدان اور ان کے حواری ''تیار'' نظر آرہے ہیں۔

اللہ کریم نے مملکت پاکستان میں ہر چیز میسر فرمائی ہے۔ ہر قسم کے موسموں اور آب وہوا سے ہمیں نوازا ہے۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ یہ جو بجلی پیدا نہ ہونے، گیس کی کمی اور وسائل نہ ہونے کے عموماً رونے روئے جاتے ہیں۔ یہ سب سیاسی اینچ پیچ ہیں۔ صوبائی وعلاقائی فوقیت کے لیے یہ سب کیا اور کرایا جاتا ہے۔ یہ سب قومیت اور لسانی بنیادوں پر اٹھائے جانے والے سوالات ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں ہر شعبے کے ماہرین کی کمی نہیں۔ ہمارے سائنسدان اور ہمارے ٹیکنیشن گئے گزرے نہیں ہیں۔ ہمارا ایٹمی پروگرام کسی دوسرے ملک کے ایٹمی پروگرام سے کم نہیں ہے۔ یہاں اگر کمی ہے تو فقط ایمان وایقان کی کمی ہے۔ یہاں اگر کمی ہے تو فقط ارادوں اور یقین میں غیر پختگی کی وجہ سے ہے۔

پاکستان کے سیاست دان دیکھنے میں بڑے ہمدرد اور انسانوں کی فلاح وبہبود کے دعوے کرنے والے ملیں گے مگر تجربات سے ثابت آج تک یہی ہوا کہ فقط مفادات ہی مفادات ان کا شیوہ ہے۔ سیاست چاہے دنیا دار یا دین دار کرے، دینی جماعت ہو یا سیاسی جماعت جب بھی وہ میدان سیاست میں کودے گی ان سب کا طریقہ ایک ہی ہے کہ صرف کرسی حاصل کی جائے اور عوام کو تنگ کیا جائے۔

باشندگانِ وطن کا حال ملاحظہ کرلیجیے۔ نہ انھیں صاف پانی میسر ہے نہ بجلی دستیاب ہے، نہ گیس دی جارہی ہے نہ سی این جی تک رسائی ہے، نہ انصاف میسر ہے نہ عدل کے ضابطے پورے مل رہے ہیں، نہ روزگار چل رہے ہیں نہ نوکریاں دستیاب ہیں۔ حقوق کے دینے کا یہ حال ہے کہ کلرک سے لے کر ٹیچرز تک، نرسوں سے لے کر ڈاکٹروں تک، لیکچرر سے لے کر پرنسپل تک اور عام مزدور اور عام ملازمت پیشہ افراد کے بارے تو کیا کہنے، خامیاں تو ان میں بڑی نکالی جاتی ہیں۔ ان کی حقیر سی غلطیوں کو بڑا کرکے دیکھنے والے بڑے میسر ہوں گے مگر انھیں اپنی غلطیوں کے شہتیر نظر نہیں آئیں گے۔ انھیں نظم وضبط کے ضابطے اور نظام پر دسترس کے طریقے یاد نہیں ہوں گے۔ عام آدمی کی سوچ اور ایک جاگیردار کی سوچ میں فرق ہمیں واضح ملے گا۔ اگر نہ ملے گا تو عوامی سہولتوں کو فراہم کرنے کا ارادہ، عوام کی فلاح وبہبود سے مزین طور طریقے نہیں ملیں گے۔

ہم اللہ کے فضل سے پاکستان کے بارے کسی قسم کے خطرے اور

خدشے کومحسوس نہیں کررہے۔اسی طرح اسلام کے بارے بھی، جوکہ ایک بین الاقوامی مذہب ہے، ایک پرامن نظام زندگی فراہم کرنے والا ہے، اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسلام ہی کے دم قدم سے دنیا ودین میں سرفرازی حاصل کی جاسکتی ہے۔اللہ کا فضل اگر شامل حال ہے تو ساتوں خیر اور اگر اللہ ہی کا فضل میسر نہیں، غیر اللہ کی امداد اور غیر اللہ پر ایمان ویقین ہے تو پھر خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

۹/۱۱ کے واقعے کے بعد سے جس طرح نام نہاد امریکی جنگ میں ہم نے امریکہ کا ساتھ دیے رکھا، سیکڑوں جانوں کو قربان کیا گیا اور لاکھوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔زمینیں بنجر ہوئیں، سیکڑوں سہاگنوں کے سہاگ اجڑے، بچے یتیم ہوئے، بوڑھے بے گناہ مارے گئے، اربوں ڈالرز اور وسائل آگ میں جھونکے گئے، پھر بھی نتیجہ صفر ہی رہا۔کیا کیا ختم ہوگیا اور کیا کیا حاصل ہوگیا؟ کوئی پتہ نہیں۔

سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی جارحیت کے بعد امریکی و نیٹو سپلائی کا تعطل ایک خوش آئند قدم ہے۔ جب سے یہ سپلائی بند ہوئی ہے ملک کے گوشے گوشے سے خوشبو سی محسوس ہورہی ہے۔ یہ تعفن زدہ صلیبی قوم کے ناپاک قدم اس ملک کی سرزمین سے جب سے یہاں آنے سے رکے ہیں ایک سکون سا محسوس ہورہا ہے۔امریکہ اور اس کے حواری ہی یہاں تخریب کاریاں کرتے رہے اور کراتے رہے ہیں۔ان کے ریمنڈ ڈیوس اور ان کے جاسوس ہی یہاں تخریبی منصوبہ بندیاں بناتے رہے ہیں۔اب کروڑوں روپے کی خطیر رقموں کو خرچ کرکے لاکھوں کے مجمعے جمع کرکے بڑے بڑے جلسوں میں مگن ہماری سیاسی ودینی جماعتیں کیسے کھلے ماحول میں آئے ہیں کہ ان جلسوں میں کوئی بھی گڑ بڑ نہیں ہوئی۔ اس سے قبل نہ کوئی مسجد محفوظ تھی، نہ کوئی کالج و یونیورسٹی محفوظ تھی، نہ فوج محفوظ تھی، نہ کوئی پولیس محفوظ تھی۔ کتنے دھماکے ہوگئے، کتنوں کو بے گناہ جان سے گزار دیا گیا۔کتنوں کی سرپرستی ختم کردی گئی۔الامان والحفیظ

پاکستان اللہ کے فضل سے قدرتی خزانوں سے مالا مال ملک ہے۔ چہار اطراف اس کے اندر لوہے، کوئلے، گیس اور تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔اس کے عوام بے شمار صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔اس کی افواج، اس کے خیر خواہ سپاہی، اس کے رکھوالے اللہ کے کرم سے بہت ہیں۔ بدقسمتی سے ان صلاحیتوں کو ایک طویل عرصے سے کچلا جاتا رہا ہے۔ پاکستان ایک باوقار ملک بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ملک دنیا کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔اگر دانستہ طور پر اس کے عوام کا استحصال بند کردیا جائے، انھیں ان کے حقوق دیے جائیں۔

عوام ہی اپنے ملک کی آبرو ہوا کرتے ہیں۔افراد ہی قوموں کا سرفخر سے بلند کرتے ہیں۔ اس ملک کی اصل قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عوام ہی ہیں۔ انھیں صحت، علاج، دوائیوں اور وسائل تک رسائی فراہم کی جائے۔انھیں سستا اور صحیح انصاف میسر کیا جائے۔انھیں غذائی سہولتیں میسر کریں۔ انھیں اذیتوں سے نہ گزارا جائے بلکہ ان پر آسانیاں کی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرتی اور معاشی انقلاب نہ آئے۔استحصالی طبقے کو منہ کی نہ کھانی پڑے اور توقع ہے کہ ایک ذمہ دار اور صحیح الفکر قیادت اس ملک کی قسمت کو کیوں نہ بدلے گی۔ان شاءاللہ

آئیے ہم عہد کریں کہ یہاں نسلی، لسانی، علاقائی اور طبقاتی تعصّبات کا خاتمہ کرنے کی فکر کریں۔ایک مثالی اسلامی معاشرے کے قیام کا سوچیں، صحیح الفکر قیادت کو آگے آنے کا موقع دیں۔ یہ تب ہی ممکن ہوگا جب مفادات کی عینک اترے گی اور ایک خالص عوامی وفلاحی سوچ پروان چڑھے گی۔عوام کو سہولتوں سے نوازا جائے گا۔ان پر سفر کی صعوبتیں اور کرائے میں اضافے روکے جائیں گے۔ ہر شہری کو عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کو ملے گی۔ہسپتالوں میں بیماروں کی کثرت بتاتی ہے کہ عوام کو صحیح دوائیاں نہیں دی جاتیں اور صحت کی سہولتوں کو ان پر استعمال نہیں کیا جاتا۔ایسے میں مسائل ہی مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔گزشتہ دنوں دل کی بیماریوں میں مبتلا افراد کو غلط دوائیاں دی گئیں اور کئی ایک قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں۔ یہ سب غیر ذمہ دار قوم کی نشانی ہے۔ یہ خوف وہراس کے واقعات، معاشرتی پستی، ذلت ونکبت کب تک ختم ہوگی۔ عہد کیا جائے کہ ہم ہر ادارہ ذمہ داری سے چلائیں گے۔ اس کے اندر سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔ مفادات سے ہٹ کر سوچیں گے کہ یہی ترقی وعروج کی علامت ہوگی، ان شاءاللہ۔

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

شاہ جہان پور

تاریخ عمومی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری

ضخامت: ۶۲۱ صفحات

ناشر: مجلس یادگار شیخ الاسلام، پاکستان۔ کراچی

ملنے کا پتا: مکتبہ رشیدیہ، بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ 74200

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری ملک کے معروف صحافی، قلم کار، تاریخ نویس اور بیشتر کتب کے مرتب، مترجم اور مصنف ہیں۔ علم وادب کی خدمت ان کا شیوہ، اہل علم سے میل جول، تاریخ نویسی اور تاریخ اسلامی کو مدوّن ومرتب کرنے کا سلیقہ ان کے رگ وپے میں سمایا ہوا ہے۔ آپ نے تن تنہا ایسے ایسے علمی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جس کی مثال بڑی بڑی جماعتیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے خاص محبت وعقیدت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مسلک احناف کے قد آور عالم کی ایک سیاسی ڈائری کو بھی کئی ضخیم جلدوں میں مرتب کرنے کا ایک کارنامہ سرانجام دے دیا ہے۔ یہ ضخیم جلدیں کئی سو سال قبل کی تاریخ پر مشتمل ہیں اور جو ایک خاصے کی چیز ہے۔ حنفی المسلک ہونے کے ناتے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے غیر حنفی افراد کا ذکر ذرا دیگر پیرائے میں کیا ہے۔ یہ باتیں تاریخ پڑھنے، لکھنے اور مرتب کرنے والے بخوبی سمجھیں گے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب شاہ جہانپوری نے پوری ذمہ داری سے یہ کارنامہ سرانجام دے کر ایک بڑا کام کیا ہے۔

اسی طرح امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ پر ڈاکٹر صاحب نے بڑا عمدہ، سلیقہ منداور تاریخی وتحقیقی کام کر کے خود اپنے نام کو تاریخ کا حصہ بنا ڈالا ہے۔ یہ کام بڑی تعریف کا حامل ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''شاہ جہان پور ......تاریخ عمومی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء'' ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کے وطن مالوف ''شاہ جہانپور' ریاست روہیل کھنڈ اور موضع محمدی وغیرہما میں حکومتوں کا قیام، سر فروشانِ اسلام اور آزادی وطن کے متوالوں، آزادی کے لیے جہاد کرنے والے مجاہدین کی داستانوں، قربانیوں اور ان کی تگ وتاز کا عظیم الشان تذکرہ سموئے ہوئے ہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اُن مجاہدین کے کارنامے کا نام ہے جو چھ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعۃ المبارک بالاکوٹ کے سنگلاخ پہاڑوں پر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے والوں کی قربانی سے شروع ہوئی۔ حضرت سیّدین شہیدین رحمہما اللہ (سیّد احمد شہید رائے بریلی اور شاہ محمد اسماعیل شہید) نے بہ ظاہر سکھوں، نہنگوں اور خالصوں کے خلاف جنگ لڑی تھی لیکن تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سکھوں کے خلاف جنگ نہ تھی بلکہ اس کے پس منظر میں انگریز ہی کی شرارت کار فرما تھی۔ اور یہ خالص طور پر انگریز سامراج کے خلاف ہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ ۱۸ پر یہ عبارت

درج فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''یہاں تحریک کا خاتمہ'' مجاہدین کی ایک جماعت کے قتل اور نظام کے ٹوٹ جانے کو کہا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تحریک کی روح فنا ہوگئی تھی۔ تحریک اپنی فکر اور مقاصد کے لحاظ سے ۱۹۴۷ء تک باقی رہی اور برٹش استعمار کے لیے ہمیشہ دردِ سر بنی رہی۔ ملک کی آزادی کی تحریک میں اس کا ایک حصہ ہمیشہ رہا اور بعض مواقع پر اس سے نہایت اہم کام لیے گئے۔''

زیر تبصرہ کتاب ''شاہ جہان پور'' کی تاریخ عمومی پر مشتمل ہے۔ یہ ضلع ڈاکٹر صاحب کا وطن مالوف بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی عقابی نظریں جب ایک دوست کی مہربانی سے مذکورہ ضلع کی تاریخ پر پڑی تو اسے اپنے ڈھنگ اور تجربے کی بنا پر درج کرنے کا شوق دامن گیر ہوگیا۔ چنانچہ ڈاکٹر ابوسلمان صاحب نے اسے بڑی محبت اور لگن سے مرتب و مدوّن فرما دیا۔ موصوف لکھتے ہیں:

''شاہ جہان پور کا نظامِ حکومت ریاست روہیل کھنڈ کا ایک حصہ تھا، لیکن اپنے انتظام وانصرام اور خصوصیات وامتیازات میں خود ایک مستقل ریاستی نظام تھا۔'' (ص:۲۲)

ڈاکٹر صاحب مزید تحریر کرتے ہیں:

''بریلی، بدایوں اور پیلی بھیت سے شاہ جہان پور کا ایسا تعلق تھا کہ ان کے تذکرے کے بغیر شاہ جہان پور اور ۱۸۵۷ء کی تاریخ کے بعض گوشے تاریخ کی پوری روشنی میں نہیں آسکتے تھے، جن کے بغیر شاہ جہان پور کی داستان مکمل نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے بریلی اور اس کے نظام سیاسی کے بعض خصائص اور دوسرے اضلاع بدایوں اور پیلی بھیت کی تاریخ کے بعض اجزاء کو بھی دائرۂ تحریر میں سمیٹ لینا پڑا۔'' (ص:۲۷)

شاہ جہان پور (ہندوستان) کی مکمل تاریخ، موسم، احوال سیاست، محلے، گلیاں، قریے، زبان، وہاں کی شخصیات، تعلیم وتمدن، مدارس واسکول، دیگر عمارات، گرجے، مقبرے، پل، سرائیں وغیرہ پر مشتمل ایک حصہ ہے جو صفحہ ۳۶ تا ۱۸۱ پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ ریاست روہیل کھنڈ اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، دارالحکومت بریلی اور اس کا نظام سیاسی، بہ شمول موضع محمدی میں قومی حکومت کا قیام پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے تیسرے حصے میں شاہ جہان پور اور ۱۸۵۷ء (مطالعات) کے ضمن میں ہے۔ اس کی عمومی سیاست، تاریخ، تحقیق ''غدر کی کہانی'' کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

اس حصے میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین، خان بہادر مطیع اللہ خان وغیرہ کے مضامین اور تاریخی واقعات درج ہیں۔

شاہ جہان پور کی تاریخ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ اس کے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بڑے حصے ہیں۔ وہاں کی گلیاں، وہاں اک اک چپہ اور شاہ جہان پور کی شخصیات اور ڈاکٹر صاحب کے عزیز واقارب اور بزرگوں تک کا ذکر اس کتاب میں آگیا ہے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑی معلومات افزا، دل نشین بھی ہے اور شاہ جہان پور پر تنقیدی تبصرے پر مشتمل ایک خصوصی ضمیمہ بھی آخری صفحوں پر شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کا خاندانی تعارف وتذکرہ بھی ہے۔ کتاب مجلد، طباعت صاف ستھری ہے۔ قیمت درج نہیں۔

فتاویٰ محدث العصر سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ

دارالافتاء جامعہ بحر العلوم السّلفیہ میر پور خاص سندھ کی کمیٹی اس وقت محدث العصر سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو جمع وترتیب دے رہی ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد شائع ہونے کی امید ہے۔ اگر کسی بھائی کے پاس شاہ صاحب رحمہ اللہ کا کوئی فتویٰ ہو وہ جلد از جلد پہنچا کر شکریے کا موقع دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(مولانا) افتخار احمد الازہری، مدرس جامعہ بحر العلوم السّلفیہ، میر پور خاص (سندھ)۔ فون: 0332-2819002

فهرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۱ا قاری سیف اللہ ساجد قصوری

م ۲۸۱ ت توحید اور رسالت اور دین کی پہچان، ص: ۹۶۔ ساجد اسلامک ریسرچ سنٹر، ضلع قصور۔

۲۹۷ء۱ا محمد خان منہاس، خلیل الرحمٰن چشتی

م ۷۵ ت توحید اور شرک، ص: ۲۰۸۔ الفوز اکیڈمی، اسلام آباد۔

۲۹۷ء۱ا حافظ مبشر حسین

م ۱۸۹ ا انسان اور فرشتے، ص: ۱۵۵۔ مبشر اکیڈمی لاہور، پاکستان۔

۲۹۷ء۱ا حافظ مبشر حسین

م ۱۸۹ ا انسان اور رہبر انسانیت، ص: ۱۸۲۔ مبشر اکیڈمی لاہور، پاکستان۔

۲۹۷ء۱ا حافظ مبشر حسین

م ۱۸۹ ا اللہ عزوجل اور انسان، ص: ۱۷۴۔ مبشر اکیڈمی، لاہور۔

۲۹۷ء۱ا امام محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸۱ ک کلمہ توحید کا فکری پہلو، ص: ۳۶۔

۲۹۷ء۱ا محمد سعید احمد مجددی

م ۲۰۷ ک کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضے، ص: ۳۲۔ ادارہ تنظیم الاسلام، گوجرانوالہ۔

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸۱ ا اسلام اور مسائل جاہلیت، ص: ۱۸۴۔ الدار السّلفیہ، حامد بلڈنگ، مومن پورہ، بمبئی۔

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸۱ د دافع الشبہات، ص: ۴۴۔ ادارہ تبلیغ جمعیۃ اہل حدیث، جام پور، ضلع راجن پور، راجن پور۔

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸ ن نور توحید، ص: ۲۰۔ ادارہ تبلیغ القرآن والسنۃ، دربار مارکیٹ، لاہور۔

۲۹۷ء۱ا حافظ مصباح ضیاء

م ۶۴۴ س سفینہ توحید، ص: ۳۲۷۔ جامعہ امّ القریٰ العالمیہ طالبات، کینال روڈ، فیصل آباد۔

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۸۱ ک کتاب التوحید، ص: ۳۲۷۔ البدر پبلی کیشنز، لاہور

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸۱ ک کتاب التوحید، ص: ۴۶۳۔ انصار السنۃ المحمدیہ، نواں کوٹ، لاہور۔

۲۹۷ء۱ا ابومحمد سیّد بدیع الدین شاہ راشدی

م ۲۸۱ ک کتاب التوحید (جوسندی ترجمو)، ص: ۲۳۰۔ جامعہ الستاریۃ الاسلامیہ، کراچی۔

۲۹۷ء۱ا محمد بن عبدالوہاب

م ۲۸۱ م ۳ الجامع الفرید، ص: ۱۲۵۔ انصار السنۃ المحمدیۃ، نواں کوٹ، لاہور۔

۲۹۷ء۱ا ڈاکٹر سیّد ناصر زیدی

ن ۱۸ د دلائل وجود باری تعالیٰ، ص: ۱۵۲۔ البصیرہ، اسلام آباد، پاکستان۔

۲۹۷ء۱ا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی

ن ۴۴۳ ف فصل الخطاب، ص: ۸۔ مطبع ہاشمی

۲۹۷ء۱ا مولانا محمد منظور نعمانی

ن ۶۷ د دین وشریعت، ص: ۲۷۷۔ مجلس نشریات اسلام، ناظم

آباد، کراچی۔

۴۱ء ۲۹۷ محمد شفیع ناصر

ن ۱۸م موج کوثر، ص: ۱۶۔ احمد حسن شوکت، ایڈیٹر شحنہ ہند، میرٹھ۔

۲۔ مسائل روزمرہ ضروریہ

۳۔ ایقاظ المقلدین، ص: ۱۶۔

۴۔ جامع فرائض رحمانی۔ مولوی عبدالرحمٰن خان، ص: ۶۲

۵۔ البراہین القاطعہ فی ردّ انوار ساطعہ، مولوی عبدالجبار، ص: ۲۸۔

۶۔ صدکلمہ چہار یار، احمد حسن شوکت، ص: ۳۲۔

۷۔ درباب تقلید وتراویح آٹھ رکعت اور مولوی محمد قاسم، ص: ۸۔

۸۔ اعلان دافع بہتان در ردّ وہابیت، محمد بسم اللہ خان، ص: ۱۶۔ مطبع شوکت المطابع، سحنہ ہند پریس، میرٹھ۔

۹۔ صمصام التوحید فی ردّ التقلید، مولانا محمد عبدالجبار صاحب عمرپوری، ص: ۱۶۔

۱۰۔ الاعتصام بحبل اللہ، المعتصم بحبل اللہ، ص: ۱۲۔

۱۱۔ شد لہابیہ فی جواب (ردّ) وہابیہ، ص: ۸۔ احمد حسن شوکت۔

۱۲۔ انتباہ المقلدین، مولانا حمید اللہ، ص: ۲۰۔

۱۳۔ گاؤکشی پر مباحثہ مابین مولانا ابن الحسن صاحب تاجپوری وپنڈت جگت نرائن صاحب بنارسی، ص: ۸۔

۱۴۔ مثنوی سلک نور، مولانا محمد اسماعیل شہید، ص: ۸۔

۱۵۔ تفریح الجنان باحکام قیام رمضان، ابوالفیاض محمد عبدالقادر، ص: ۱۲۔

۱۶۔ نقل فتویٰ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ دربارہ قراءت فاتحہ خلف امام، محمد غلام اکبر خان۔ ص: ۴

۱۷۔ ہدایۃ الصلوٰۃ یعنی نماز کی ہدایت، محمد ابو احمد، ص: ۸

۱۸۔ حنفیوں کے ملحدانہ سوالات کے محققانہ جوابات، حمید اللہ، ص: ۳۲۔

۱۹۔ الاعلان فی انکار القلیان معروف بہ مسائل حقیقت، مولوی امیر یاز خان سہارنپوری، ص: ۸۔

۲۰۔ سوالات علماء دین سے، عبدالوہاب ڈاکٹر، ص: ۸۔

۲۱۔ فاس التوحید علی راس التقلید فی رد وجوب التقلید بالقرآن المجید، وزیر الدین حنفی، ص: ۸۔

۲۲۔ فتویٰ زنبیل، ص: ۶۔

۲۳۔ معیار الاسلام (کسوٹی) عبدالجبار صاحب، ص: ۲

۲۴۔ ردّ بدعات ساریہ ومجالس میلاد جاریہ، ص: ۶۔

۲۵۔ مجموعہ فیصلہ جات مقدمات آمین بالجہر، ص: ۲۶۔

۲۶۔ نظارہ عالم، مولوی محمد عبدالرحمٰن خان، ص: ۲۴۔

۲۷۔ شجنہ ہند میرٹھ ومولانا احمد حسن شوکت مختلف شمارے ردمرزا، شمارہ نمبر: ۴، جلد: ۲۰، ۲۲، مطبوعہ جنوری ۱۹۰۲ء۔ ان تمام کتابوں کا مطبع شوکت المطابع شحنہ ہند مقام میرٹھ ہے۔

۴۱ء ۲۹۷ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (مجموعہ ۳ کتب)

و ۸۶ ب البلاغ المبین، ص: ۱۸۴۔ الہلال بک ایجنسی، شیرانوالہ دروازہ، لاہور۔

۲۔ تحفۃ الموحدین، شاہ ولی اللہ دہلوی، ص: ۵۶۔ ادارۃ اشاعت السنۃ، شیش محل روڈ، لاہور۔

۳۔ اہل بیت، محمد فضل الرحمٰن مبارک پوری، ص: ۴۸۔ حکیم عبدالسمیع وعبدالسلام ڈاکخانہ مبارکپور، صوفی پورہ، ضلع اعظم گڑھ۔

۴۲ء ۲۹۷ مولانا محمد علی جانباز

ج ۲۰۵ م معراج مصطفیٰ، ص: ۵۸۔ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور

۴۱ء ۲۹۷ سیّد وقار علی شاہ

و ۱۰۷ ل افکار وعقائد وفتاویٰ جماعت المسلمین، ص: ۴۱۶۔ سیّد

وقار علی شاہ دھوناپتی کریم پورہ بازار، پشاور، پاکستان۔

۴۱ء ۲۹۷ مولانا وحید الدین خان

و۴۴) اللہ اکبر، ص: ۲۸۷۔ المکتبۃ الاشرفیۃ، فیروز پور روڈ، لاہور۔

۴۱ء ۲۹۷ شاہ محمد اسماعیل شہید

ت۴۲) تقویۃ الایمان مع تذکرۃ الاخوان، ص: ۴۷۰۔ نور محمد تجارت کتب آرام باغ، کراچی۔

۲۔ نصیحۃ المسلمین، مولانا خرم علی ملہوری، ص: ۴۷۵ سے ۵۱۹ تک نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

۴۱ء ۲۹۷ شاہ محمد اسماعیل شہید

ت۴۲) تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص: ۲۶۰۔

۴۱ء ۲۹۷ مولانا محمد بشیر الدین قنوجی (مجموعہ ۳ کتب)

ت۴۲) سیف الموحدین لقطع عنق المشرکین، ص: ۱۰۔ مطبع افتخار، دہلی۔

۲۔ تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، راہِ سنت، طارق الاثرار، شاہ محمد اسماعیل شہید، ص: ۲۲۶۔

۳۔ نصیحۃ المسلمین، مولانا خرم علی، ص: ۳۲۔



نعت

سب رسولوں کے اس آخری دَور کی روشنی آپؐ ہیں
ثبت میثاق کی مہر جن پر ہوئی وہ نبی آپؐ ہیں

وقت کے ہاتھ پر آپؐ کے نقش پا کے ہیں روشن چراغ
کل بھی تھے، حشر تک بھی رہیں گے نبیؐ، آج بھی آپؐ ہیں

لوحِ تورات کا نفس مضمون ہے جس کے وصفوں کے نام
امت وَسط کے وہ رسول آخری واقعی آپؐ ہیں

شبنم مہر و الفت کے دامن میں پھیلا ہوا لطف آپؐ
ماہِ جود و سخاوت کی ٹھنڈک بھری چاندنی آپؐ ہیں

دی اساس احترامِ تعلق کو ایثار کی آپؐ نے
شہریت کی مواخات میں نکہت باہمی آپؐ ہیں

فرد کی ہر جبلت کو تہذیب رُشد آپؐ سے مل گئی
آدمیت ہے نازاں کہ اک معتبر آدمی آپؐ ہیں

(امّ عبد منیب)